

آہ کی تاثیر اور فغاں کی توقیر کا دبستان

کلام میر تقی میر

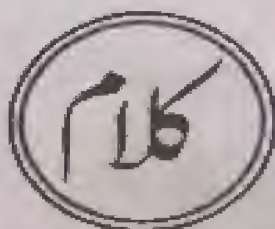
میراُن نیم باز آنکھوں میں | دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے
ساری مستی شراب کی سی ہے | یہ دُھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے



ترتیب: سنبل سرفراز

۱۹۹۰

بجھ و فراق آہ و نالہ اور درد و الم کا نوشتہ ہر زمان



میر تقی میر

☆
دربافت و انتخاب: سنیل سرفراز
☆

مکتبہ الفتوح

کمرہ نمبر 30 - تیسری منزل، عزیز مارکیٹ، اردو بازار لاہور

فون : 0333-4304938

کلام میر تقی میر

- 13 حمد --- دل رفته، جمال ہے اس ذوالجلال کا
14 نعت --- ہے حرفِ عامر دل زدہ حسن قبول کا
15 نعت --- رحمۃ للعالمین یا رسول اللہ ﷺ
18 منقبت --- جو معتقد نہیں ہے علیؑ کے کمال کا
19 منقبت --- ہادی علیؑ، رفیق علیؑ، رہ نما علیؑ
21 مرثیہ --- فردا حسین می شود از دہر نا امید

غزلیات

- 29 اس عہد میں الہی محبت کو کیا ہوا
29 الہی ہو گئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوانے کام کیا
31 چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر: حافظ محمد علی ارسلان - ہاشم نعمان ہنری

پرنٹرز: چوہدری طاہر حمید پرنٹرز لاہور

کمپوزنگ و ڈائٹل: خرم سرفراز (0333-4304938)

قیمت: 36-00 روپے

شاکٹ:

روبی پبلی کیشنز

دوسری منزل، راجپوت مارکیٹ، اردو بازار لاہور

Ph: 0303-6416808

- دیکھے گا جو تجھ رو کو سحران رہے گا 32
 جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج دری کا 33
 منہ نکالی کرے ہے جس تس کا 34
 سحر گہ عید میں دور سہو تھا 36
 ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا 36
 یکسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا 37
 ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا 37
 میر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخی کا 38
 کئی دن سلوک دوا کا مرے در پئے دل زار تھا 40
 مہر کی تجھ سے توقع تھی سنگر نکلا 40
 گرمی سے میں تو آتش غم کی پھل گیا 41
 تا بمقدور انتظار کیا 42
 آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا 42
 وہ جو پی کر شراب نکلے گا 44
 تجاہل تغافل تساہل کیا 45
 سینہ کو پی ہے طیش سے غم ہوا 45
- دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ یہ دل ہے کیا 46
 ہو بلبل گلشت کہ اک دن ہے خزاں کا 47
 کیا پوچھو ہو کیا کہئے میاں دل نے بھی کیا کام کیا 47
 عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا 48
 جو اس شور سے میر روتا رہے گا 49
 بار بار گوہر دل جھٹکا لایا 50
 ہر دم طرف ہے دیے مزاج کرفت کا 50
 ہم عشق میں نہ جانا غم ہی سدا رہے گا 51
 بھلا ہوگا کچھ اک احوال اس سے یا برا ہوگا 52
 یاں نام یار کس کا در دزباں نہ پایا 53
 جو یہ دل ہے تو کیا سرا انجام ہوگا 54
 نہ پوچھ خواب زلیخانے کیا خیال لیا 55
 نقاش دیکھ تو میں کیا نقش یار کھینچا 55
 عمرے نے اس کے چوری میں دل کی ہنر کیا 56
 ہاتھ سے تیرے اگر میں ناتواں مارا گیا 57
 اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا 58

- 73 گئے جی سے چھوئے بتوں کی جہا سے 59 دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا
- 74 کلبکوں نے تیری چال جو دیکھی ٹھنک گئے 59 موا میں مجھ میں پر نقش میرا یار رہا
- 75 زندگی ہوتی ہے اپنی غم کے مارے دیکھے 61 دل کے تیں آتش ہجر اس سے بچایا نہ کیا
- 76 آنکھیں لڑا لڑا اکب تک لگا رکھیں گے 61 آگے جمال یار کے معذور ہو گیا
- 77 اپنا شعار پوچھو تو مہر ہاں وفا ہے 62 عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
- 78 حرم کو جائے یادیر میں بسر کرے 63 اس کا خرام دیکھ کے جایا نہ جائے گا
- 79 جب تک کڑی اٹھائی گئی ہم کڑے رہے 64 بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا
- 79 شش جہت سے اس میں ظالم بوئے خوں کی راہ ہے 65 دل فرط اضطراب سے سیماب سا ہوا
- 80 مشکل ہے ہونا روکش رخسار کی جھلک کے 67 گل کو محبوب ہم قیاس کیا
- 81 تاجند ترے غم میں یوں زار رہا کیجئے 67 کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو
- 81 میری پریش پہ حری طبع اگر آدے گی 68 قیامت تھا سماں اس خشکی پر
- 82 کیا کروں شرح خستہ جانی کی 69 غصے سے اٹھ چلے ہو جو دامن کو جھاڑ کر
- 83 ہے یہ بازار جنوں منڈی ہے دیوانوں کی 70 قصد گر امتحان ہے پیارے
- 84 آگے ہمارے عہد سے وحشت کو جانہ تھی 71 جس جگہ دور جام ہوتا ہے
- 84 تیری گلی سے جب ہم عزم سفر کریں گے 71 تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے
- 85 چمن گیا سینہ بھی کلیجا بھی 72 چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجئے

- 86 گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کی
- 87 دل کو تسکین نہیں لشک دمام سے بھی
- 87 تاب دل صرف جدائی ہو چکی
- 88 اس وعدہ کی رات وہ آئی جو اس میں نہ لڑائی ہوئی
- 89 موسم ہے لکے شافوں سے پتے برے برے
- 90 خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی طاقت کی
- 90 فکر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی
- 91 خرابی کچھ نہ پوچھو ملکیت دل کی عمارت کی
- 92 میں نے جو بیکمانہ مجلس میں جان کھوئی
- 93 الم سے یاں تیں میں عشق ناتوانی کی
- 94 لاعلاجی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی
- 94 رکھتا ہے ہم سے وعدہ ملنے کا یار ہر شب
- 95 اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پر آب روز و شب
- 96 کس کی مسجد کیسے بتخانے کہاں کے شیخ و شاب
- 98 روزانہ ملوں یار سے یا شب ہو ملاقات
- 98 سب ہوئے نادم نے تدبیر ہو جاناں سمیت
- 99 کیا کہیں اپنی اُس کی شب کی بات
- 100 ہر صدم کروں ہوں الخالج یا انابت
- 100 پلکوں پہ تھے پارہ جگر رات
- 102 جیتا ہی نہیں ہو جسے آزار محبت
- 103 ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یار و پرانی بات
- 103 نہ پایا دل ہوا روز سیر سے جس کا جالت پٹ
- 104 آئے ہیں میر منہ کو بنائے جفا سے آج
- 104 کاش انھیں ہم بھی گنہ گاروں کے بیچ
- 105 فائدہ مصر میں یوسف رہے زندان کے بیچ
- 106 کر نہ تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے بیچ
- 107 ساتھ ہوا کہ ہیکسی کا عالم ہستی کے بیچ
- 108 ہونے لگا گدا ز غم یار بے طرح
- 109 کیا ہم بیاں کسو سے کریں اپنی ہانگی طرح
- 110 آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
- 110 ہم گرفتار حال ہیں اپنے
- 111 میرے سنگ مزار پر فرہاد

- 126 یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
- 127 لب ترے لعلِ ناب ہیں دونوں
- 128 ہے غزل میر یہ شغالی کی
- 128 کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی
- 129 چلتے ہو تو چین کو چلے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
- 130 دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
- 131 برنگِ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
- 132 ہستی اپنی حباب کی سی ہے
- 133 اب ظلم ہے اس خاطر تاغیر بھلا مانے
- 133 دل کے معمورے کی مت کر فکرِ فرمت چاہئے
- 134 جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے
- 135 اب کر کے فراموش تو ناشاد کر دو گے
- 136 ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
- 137 ادھر سے ابراٹھ کر جو گیا ہے
- 138 عمر بھر ہم رہے شرابی سے
- 138 کیا پوچھتے ہو عاشقِ راتوں کو کیا کرے ہے

- 113 آواز ہماری سے نہ رک ہم ہیں دعا یاد
- 113 غیروں سے دے اشارے ہم سے چھپا چھپا کر
- 114 نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی اسے جری بہتر
- 115 دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
- 116 یہ عشق بے اجل کش ہے بس اے دل اب تو کل کر
- 117 آشوب دیکھ چشم تری سر رہے ہیں جوڑ
- 118 ہوتا نہیں ہے بابِ اجابت کا وائیز
- 119 ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز
- 120 اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس
- 120 کیونکہ نکلا جائے بحرِ غم سے مجھ بے دل کے پاس
- 121 ہر جزو دم سے دستِ بغل اٹھتے ہیں خروش
- 122 ہم اور تیری گلی سے سفرِ دروغِ دروغ
- 123 ہے آگ کا سامالہ کاہشِ فرا کا رنگ
- 124 رو مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
- 124 عشقِ بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم
- 125 بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں

حمد

دلِ رفته جمال ہے اس ذوالجلال کا
جمع جمع صفات و کمال کا

ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزارا گمان و خیال کا
حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں انہوں کے حال و قال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ و گرنہ سب میں ہے اُس کے جمال کا
مرنے کا بھی خیال رہے میر اگر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

- 140 فقیرانہ آئے صدا کر چلے
141 گلگشت کی ہوں تھی سو تو گہیر آئے
143 چمن یار تیرا ہوا خواہ ہے
144 دُھب میں تیرے سے باغ میں گل کے
144 شمع مفت جب کھوم جائیں گے
144 قیامت ہیں یہ چسپاں جامے والے
145 بے یار شہر دل کا ویران ہو رہا ہے
146 دن دوری چمن میں جو ہم شام کریں گے

مثنویات

- 147 جھوٹ
149 گھر کا حال
155 برسات کی شدت
160 خواب و خیال

نعت

ہے حرفِ خامہ دل زدہ حسن قبول کا
یعنی خیال سر میں ہے نعتِ رسول کا
رہ پیروی میں اُس کی کہ گامِ نخت میں
ظاہر اثر ہے مقصدِ دل کے حصول کا
وہ مقتدائے خلقِ جہاں اب نہیں ہوا
پہلے ہی تھا امامِ نفوس و عقول کا
سرمہ کیا ہے وضعِ پے چشمِ اہلِ تقدس
احمد کی رہ گزار کی خاک اور دھول کا
ہے متحد نبی و علی و مہدی کی ذات
یاں حرفِ معتبر نہیں ہر بوالفضول کا

دھونٹھ ہزار پانی سے سو بار پڑھ درود
تب نام لے تو اس چنستاں کے پھول کا

حاصل ہے میر دوستی اہل بیت اگر
تو غم ہے کیا نجات کے اپنی حصول کا



نعت سرورِ کائنات ﷺ

جرم کی ہو شرم گہنی یا رسول
اور خاطر کی حزینی یا رسول
کھینچوں ہوں نقصانِ دینی یا رسول
تیری رحمت ہے یقینی یا رسول
رحمتہ للعالمینی یا رسول ہم شفع المذنبینی یا رسول

لطف تیرا عام ہے کر رحمت
ہے کرم سے تیرے چشمِ مکرمت
بجرم عاجز ہوں کر ملک تقویت
تو ہے صاحبِ تجھ سے ہے یہ مسکلت

رحمتہ للعالمینی یا رسول ہم شفع المذنبینی یا رسول

کیا سیہ کاری نے منہ کالا کیا
بات کرنے کا نہیں کچھ منہ رہا
رحم کر خاکِ مذلت سے اٹھا
میرے عفوِ جرم کی تخصیص کیا

رحمتہ للعالمینی یا رسول ہم شفع المذنبینی یا رسول

اب ٹھہرتا تک نہیں پائے ثابت
دست گیری کر کہ پاؤں میں نجات
جرم کیا ہیں میری کتنی مشکلات
ہے کفایت ایک تیری التفات

رحمۃ للعالمین یا رسول
ہم شفیع المذنبین یا رسول

ابر زیر سایہ لطف عظیم
خلق سب وابستہ خلق عظیم
تجھ سے جو پائے کرم عاصم اثم
نخت حاجت مند ہیں ہم تو کریم

رحمۃ للعالمین یا رسول
ہم شفیع المذنبین یا رسول

نیک و بد تیرے ثنا خوان ہم
لطف تیرا آرزو بخش ام
ملقت ہو تو تو کا ہے کا ہے غم
تو رحیم اور مستحق رحم ہم

رحمۃ للعالمین یا رسول
ہم شفیع المذنبین یا رسول

روؤں ہوں شرم گنہ سے زار زار
بے عنایت کچھ نہیں اسلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آ کر اضطراب
زیر لب کہتا ہوں یہ میں بار بار

رحمۃ للعالمین یا رسول
ہم شفیع المذنبین یا رسول

بہر برپا ہوگا جب تیرا نشان
آفتابِ حق میں بہر اماں
ہوے گی انواعِ خلقت جمع واں
کیوں نہ ہو سائے میں اُس کے دو جہاں

رحمۃ للعالمین یا رسول
ہم شفیع المذنبین یا رسول

روسیاں جرم سے ہے لیش تر
رو سفیدوں میں خجل مجھ کو نہ کر
ایک کیا آنکھیں ہیں میری بھی ادھر
تجھ سے راجی بے بھر اہل نظر

رحمۃ للعالمین یا رسول
ہم شفیع المذنبین یا رسول

جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں
کہ قرآں خواں تو میرے تھے کہ سمجھ خواں
وقت یکساں تو نہیں اے دوستاں
اب یہی ہے ہر زماں وردِ زباں

رحمۃ للعالمین یا رسول
ہم شفیع المذنبین یا رسول

منقبت

جو معتقد نہیں ہے علی کے کمال کا
ہر بال اس کے تن پہ ہے موجب وبال کا

رکھنا قدم پہ اس کے قدم کب ملک سے ہو

خلوق آدمی نہ ہوا ایسی چال کا

توڑا ہتھوں کو دوش نبی پر قدم کو رکھ

چھوڑا نہ نام کعبہ میں کفر و ضلال کا

راہ خدا میں اُن نے دیا اپنے بھی تئیں

یہ جو دم نہ تو دیکھو کسو آتشال کا

نسبت نہ بندگی کی ہوئی جس کی وہاں درست

رونا مجھے ہے حشر میں اُس کی ہی چال کا

فکرِ نجات میر کو کیا مدحِ خوان ہے وہ

اولاد کا علی کی محمد کی آل کا

□□□

منقبت

بادی علی رشت علی رہ نما علی

یاد علی محمد علی آشنا علی

مرشد علی کفیل علی پیشوا علی

مقصد علی مراد علی مدعا علی

جو کچھ کہو سوا اپنے تو ہاں مرتضیٰ علی

نور یقیں علی سے ہمیں اقتباس ہے

ایمان کی علی کی وا پر اساس ہے

یوم التناد میں بھی علی ہی کی آس ہے

بے گاہ و گاہ ناد علی اپنے پاس ہے

قبلہ علی امام علی مقتدا علی

نہ شہ سے کچھ غرض ہے ہمیں نے دُزیر سے

نے اعتقاد شیخ سے نے کچھ فقیر سے

کہتے نہیں ہیں کامِ صغیر و کبیر سے

ہے لاگ اپنے جی کو اسی اک امیر سے

مولا علی وکیل علی پادشا علی

شیوہ اگرچہ اپنا نہ یہ وعظ و پند ہے
پر اس کو سن رکھ اسے کہ تو کچھ درد مند ہے
کیا ہے جو عرصہ تنگ ہوا کام بند ہے
دل جمع کر کہ ہمت مولیٰ بلند ہے

یعنی نرم شعار ہے مشکل کشا علی

اپنی بساط تو ہے علیؑ ہے وہی علیم
کس طور جیتے رہتے نہ ہوتا جو وہ کریم
دیکھیں ہیں اس کی اور جو ہم ہوتے ہیں سقیم
یاں کا وہی ہے ثانی و کافی وہی حکیم

عارض ہو کوئی درد ہمیں ہے دوا علیؑ

خواہش مدد کی غیر سے ہے یہ خیال خام
کرتا ہے کب قبول اسے عاقل تمام
کافی ہے در جہان میں مولیٰ کا میرے نام
لا ریب اس پہ آتش دوزخ ہوئی حرام

یک باز بھی زبان سے جن نے کہا علیؑ

دی تیغ ایسی کس کو کہ جیسی ہو ذوالفقار
مرکب کہاں ہے اس کے سے ویسے کہاں سوار
گزرے ہیں گرچہ مردم خوب آگے بھی ہزار
پر یہ شرف خدا کی طرف سے ہے یہ وقار

خلقت تو دیکھ کعبے میں پیدا ہوا علیؑ

ہر فرد کی زباں پر علیؑ کی ہے گفت گو
ہر شخص کے تئیں ہے علیؑ ہی کی جستجو
عالم کو ہے علیؑ کی تولا سے آرزو
اپنا ہی کچھ علیؑ کی طرف کو نہیں سے رو

مقصود خلق و مطلب ارض و سما علیؑ

اک شوق ہے علیؑ کا مرے قلب میں نہاں
شاید یہی نجات کا باعث بھی ہو وہاں
اب زیر لب ہے زیت میں جو میر ہر زباں
اس وقت میں کہ جان ہو یکدم کی میہماں

امید ہے کہ یوں ہی یوں پر ہو یا علیؑ

□□□

مرثیہ

بھائیؑ بھتیجے خویش و پسر یاد اور یار
جاویں گے مارے آنکھوں کے آگے سب ایک بار
ناچار اپنے مرنے کا ہوگا امیدوار
ہے آج رات اور یہ مہمان روزگار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سید بہ چہ روی شوی سفید

یک دم کو تیری ہستی میں ہو جائے گا غضب
سادات مارے جائیں گے دریا پہ نقشہ لب
برسوں فلک کے رونے کا پھر ہے یہی سبب
مت آ' عدم سے عالم ہستی میں زینہار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

ماریں گے تیر شام کے نامرد سارے لوگ
دیویں گے ساتھ اس کا جنہوں نے لیا ہے جوگ
تا حشر خلق پہنچے رہیں گے لباس سوگ
ہوگا جہاں جوان سیہ پوش سوگوار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

اکبر مرے گا جان سے قاسم بھی جائے گا
عباس دل جہان سے اپنا اٹھائے گا
اصغر بغل میں باپ کی اک تیر کھائے گا
شائستہ ایسے تیر کا وہ طفل شیر خوار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

اے کاش کوئی روز شب تیغ اب رہے
تا اور بھی جہاں میں وہ عالی نسب رہے

لیکن عزیز جس کے مرے سب وہ کب رہے
بے چارہ سینہ خستہ بے یار و بے دیار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

ذات مقدس ابن علی کی ہے مقتنم
اک دم میں اس کے ہوویں الہی ہزار دم
کیا شب رہے تو ہودے ہے ایام ہی میں کم
آتا ہے کون عالم خاکی میں بار بار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

کاکل میں تیرے فتنے ہیں ہر اک شکن کے ساتھ
ہنگامہ لگ رہا ہے ترے دم زدن کے ساتھ
رہ کوئی دن عدم ہی میں رنج و محن کے ساتھ
یہ بات دونوں صمع میں رکھتی ہیں اشتہار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

جلوے میں تیرے سینکڑوں جلوں کی ہے فنا
یعنی سحر پر آنا قیامت کا ہے رہا
دن ہو گیا کہ سبط نبی مرنے کو چلا
ساتھ اپنے دے چکا ہے تلف ہونے کا قرار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیر بہ چہ روی شوی سفید
آب فرات پر تو شب دن نہ ہو بھی
خول ریز ورنہ ہونے لگے گا بہم ابھی
سید زپ کے پیاس سے مر جائیں گے سبھی
چغندر خدا ہی کا پروردہ کنار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیر بہ چہ روی شوی سفید
دن شب کو کس امید کے اوپر کرے بھلا
جو جانتا ہو یہ کہ ستم ہو گا بر ملا
نکلے گی تیغ جوڑ کٹے گا مرا گلا
اے دوائے دل میں اپنے لیے حسرتیں ہزار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیر بہ چہ روی شوی سفید
ایسا نہ ہو کہیں کہ نکل آدے آفتاب
وہ جو غور مرنے میں اپنے کرے شتاب
دے بیٹھے سر کو معر کے میں کھا کے تیغ و تاب
ترخوں میں دونوں کیسوں سر پر پڑے غبار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیر بہ چہ روی شوی سفید

جس دم خط شعاعی ہوئے رزق زمیں
انگار ہو کے نیزہ فطری سے وہ سسیں
ہو دیں گے جمع پیادے سوار آن کر وہیں
ہو گا جدا وہ گھوڑے سے مجرد بے شمار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیر بہ چہ روی شوی سفید
لو ہو جس کے زخم سے جاوے گا کر کے جوش
خرق مبارک اس کے میں مطلق نہ ہوگا ہوش
مجدے میں ہو رہے گا جھکا سر کے وہ خوش
آنے کا اپنے آپ میں کھینچے گا انتظار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیر بہ چہ روی شوی سفید
خورشید کی بلند نہ ہو تیغ خوں نشان
ہے درمیاں نبی کے نواسے کا پائے جاں
ایسا اگر ہوا تو قیامت ہوئی عیاں
وہ خلق تشنہ ہو گا تہ تیغ آب دار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیر بہ چہ روی شوی سفید
روشن ہوا جو روز تو اندھیر ہے ندان
میدان میں صاف ہو کے کھڑا دے چکے گا جاں

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

بیکر میں ایک کشتہ کے ہوگی نہ نیم جان
خیل و حشم کا اس کے نہ پاویں گے کچھ نشان
شوکت کہاں سر اُس کا کہاں جاہ وہ کہاں
یہ جائے اعتبار ہے کیا یاں کا اعتبار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

صاحب موئے اسیر ہوئے شام جائیں گے
سو کر جھکائے شرم سے ہر گام جائیں گے
ناچار رنج کھینچتے ناکام جائیں گے
لطفِ خدائے عز و جل کے امیدوار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

لازم ہے خوں چکاں روشِ گفتگو سے شرم
کر اس نمود کرنے کی تک آرزو سے شرم
تجھ کو مگر نہیں ہے محمدؐ کے رو سے شرم
بے خانمان و بے دل و بے خویش و بے تبار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

ناموس کی پھر اس کے نہ عزت ہے کچھ نہ مثال
اک شش جہت سے ہوگی بلا آن کر دوچار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

پھر بعد قتل اس کے غضب ایک ہے یہ اور
بختی چرخِ راہ چلے گا انہوں کے طور
شیوہ جفا شعار ستم طرز جن کی جور
نابہ کے دست بستہ میں دی جائے گی مہار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

مردانِ اہل بیت جو ہوں گے مرے گے سب
اس کے اناٹ بیت کو غارت کریں گے سب
ناموس کے جو لوگ ہیں سود کھائیں گے سب
ان قیدیوں کے لوہو میں ہووے گی رہ گزار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

خورشید سا سر اس کا سناں پر چڑھائیں گے
عالم میں دن وہی ہے سیہ کر دکھائیں گے
بیٹے تیں سوار پیادہ چلائیں گے
ہوگا عنانِ دل پہ نہ کچھ اس کا اختیار

راہِ رضا میں عاقبت کار سر گیا
ایسی گھڑی چلا کہ مدینے نہ پھر گیا
جوں آفتابِ جاہِ شام آ کے گھر گیا
خاطر شکستہٗ غم زدہٗ آزردهٗ دل نگار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

آثار دکھ کے ہیں در و دیوار سے عیاں
چھایا ہے غمِ زمیں سے لے تا بہ آسماں
کچھ میر ہی کے چہرے پہ آنسو نہیں رواں
آیا ہے ابرِ شام سے روتا ہے زار زار

فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

□□□

اس عہد میں الہی محبت کو کیا ہوا
چھوڑا وفا کو اُن نے مردت کو کیا ہوا

امیدوار وعدہٗ دیدار مر چلے
آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا

کب تک تعظم آہ بھلا مرگ کے تئیں
کچھ پیش آیا داقعہٗ رحمت کو کیا ہوا

اس کے گئے پرائیسی گئی دل سے ہم نشین
معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا
بخشنش نے مجھ کو ابرِ کرم کی کیا نجل
اے چشمِ جوشِ اشکِ ندامت کو کیا ہوا

جاتا ہے یار تیغِ بکفِ غیر کی طرف
اے کشتہٗ ستم تری غیرت کو کیا ہوا
تھی معبِ عاشقی کی بدایت ہی میر پر
کیا جانے کہ حالِ نہایت کو کیا ہوا

□□□

الہی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

کام ہوئے ہیں سارے ضائع ہر ساعت کی سماجت سے
استغنا کی چوٹی اُن تے جوں جوں میں ابرام کیا

ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھوئی مشکل تھی
سحر کیا ابھار کیا جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا
میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہوائے تو
قتقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا



چمن میں گل نے جو گل دعویٰ جمال کیا
جمال یار نے منہ اس کا خوب لال کیا

فلک نے آہ تری رہ ہیں ہم کو پیدا کر
برنگ سبزہ نورستہ پاہمال کیا
رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں کچھ باقی
سو اس کی تیغ نے جھگڑا ہی انفصال کیا

مری اب آنکھیں نہیں کھلتیں ضعف سے ہدم
نہ کہہ کہ خنید میں ہے تو یہ کیا خیال کیا
بہار رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو
چمن کو یمن قدم نے ترے نہال کیا

جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہے وہ زلف
کسو نے حشر کو ہم سے اگر حوال کیا

حرف نہیں جاں بخشی میں اس کی خوبی اپنی قسمت کی
ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا پیغام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا
سارے زنداواں جہاں کے تجھ سے تھوڑے ہیں
بانگے نیرھے تجھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اُس کی اور گلے پر جعدہ ہر ہر گام کیا
کس کا کعبہ کیسا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام
کوچے کس کے باشندوں نے سب کو ہمیں سے سلام کیا
شیخ جو ہے مسجد میں ننگا رات کو تھا میخانے میں
جُبہ خرقہ کرتا ٹوپی مستی میں انعام کیا
کاش اب برقع منہ سے اٹھاوے ورنہ پھر کیا حاصل ہے
آنکھ مندے پر ان نے گو دیدار کو اپنے عام کیا

یاں کے سپید دسیہ میں ہم کو دخل جو ہے سواتا ہے
رات کو درویش کیا یا دن کو جوں توں شام کیا
صبح چمن میں اس کو کہیں تکلیف ہوا لے آئی تھی
رُخ سے گل کو مول لیا قامت سے سرو غلام کیا

سابعہ سیمیں دونوں اُس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیے
بھولے اُس کے قول و قسم پر ہائے خیال خام کیا

لگا نہ دل کو کہیں کیا سنا نہیں تو نے
جو چہ کہ میر کا اس عاشقی نے حال کیا

□□□

دیکھے گا جو تجھ رو کو سو حیران رہے گا
دابت ترے مو کا پریشان رہے گا
وعدہ تو کیا اس سے دم صبح کا لیکن
اس دم تیں مجھ میں بھی گر جان رہے گا
منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا
پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا
چھوٹوں کہیں ایذا سے لگا ایک ہی جلاو
تا شتر مرے سر پہ یہ احسان رہے گا
چنے رہیں گے دشت محبت میں سر و تیغ
مختر تیں خالی نہ یہ میدان رہے گا
جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
بنا شتر جہاں میں مرا دیوان رہے گا
دل دینے کی ایسی حرکت ان نے نہیں کی
جب تک جیے گا میر پشیمان رہے گا

□□□

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج دری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوہ گری کا
شرمندہ ترے رخ سے ہے رخسار پری کا
چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ بداد ہے اس آشتی سری کا
ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا
نصاف طلب ہے تری بیداد گری کا
اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر دیں دیکھو
آئینہ کو لپکا ہے پریشاں نظری کا
مد موسم گل ہم کو تہ بال ہی گزرے
قدور نہ دیکھا کبھو بے بال و پری کا
اس رنگ سے چمکے ہے پلک پر کہ کہے تو
کلوا ۔ بڑا اشک عقیق جگری کا
غل سیر کا ہم نے مند کو بھی جا کر
نا دست نگر پنجہ مڑگاں کی تری کا
لے سانس بھی آستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

نک میر جگر سوزہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

□□□

منہ تکا ہی کرے ہے جس تہ کا
جرتی ہے یہ آئینہ کس کا

بحر کم ظرف ہے بسانِ حباب
کاسہ لیس اب ہوا ہے تو جس کا

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغِ مفلس کا

تھے برے مغجوں کے تیور لیک
شیخ میخانہ سے بھلا کھسکا

داغ آنکھوں سے کل رہے ہیں سب
ہاتھ دستہ ہوا ہے زرگس کا

بحر کم ظرف ہے بسانِ حباب
کاسہ لیس اب ہوا ہے تو جس کا

فیض اے ابرِ چشم تر سے اٹھا
آج دامنِ وسیع ہے اس کا

تاب کس کو جو حالِ میر ہے
حال ہی اور کچھ ہے مجلس

□□□

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دم کے جانے کا نہایت غم رہا

خس تھا تیرا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

دل نہ پہنچا گوشہ داماں تلک
قطرہِ خوں تھا مژہ پر جم رہا

سنتے ہیں لیلیٰ کے خیرہ کو سیاہ
اس میں مجنوں کا دلے ماتم رہا

جامہ ازام زائد پر نہ جا
تھا حرم میں لیک نامحرم رہا

زلفیں کھولے تو تو تک آیا نظر
عمر بھریاں کام دل برہم رہا

اس کے لب سے تلخ ہم سنتے رہے
اپنے حق میں آبِ حیاں سم رہا

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدت تک وہ کاغذِ نم رہا

صبح چیری شام ہونے آئی میر
تو نہ جیتا یاں بہت دن کم رہا

□□□

بیکسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا
ایک آلہ مخوار دہکتے تھے سواکش میں رہا
پنچہ گل کی طرح دیوانگی میں ہاتھ کو
گر نکالائیں گریبان سے تو دامن میں رہا
شعساں ملتے رہے لیکن نہ تو زیار سے
رشتہ الفت تہا عمر گردن میں رہا
دور سے اس شیر زن کے جوہر آئینہ سماں
سر سے لیکر پاؤں تک میں فرق آئین میں رہا
ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیر درم کی راہ چل
اب یہ دھوئی حشر تک شیخ و برہمن میں رہا
در پہلے دل ہی رہے اس چہرہ کے خال سیاہ
دور ہمیں ان چٹوں کا تو روز روشن میں رہا
آد کس انداز سے گزرا بیاباں سے کہ میر
جی ہر اک پیچیر کا اُس صید افکن میں رہا

□□□

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

مکتبہ الفسوح

حرم گہ - عید میں دور سبوتا تھا
پر اپنے جام میں تجھ دن لبو تھا
غلط تھا آپ سے غافل گزرتا
نہ سمجھے ہم کو اس قالب میں تو تھا
گل و آئینہ کیا خورشید و کیا
چہرہ دیکھا تھر تیرا ہی رو تھا
کرو گئے یاد باتیں تو کہو مے
کہ کوئی رفتہ بسیار ہو گیا تھا
جہاں پڑے فسانے سے ہمارے
دماغ عشق ہم کو بھی کبھو تھا
نہ دیکھا میر آوارہ کو لیکن
غبار اک ناتواں سا کو کہو تھا

□□□

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
قافلے میں صبح سے اک شور ہے
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمین
یہ نشان عشق ہیں جاتے نہیں
آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کیا
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
حکم خواہش دل میں ٹو ہوتا ہے کیا
داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا
غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز
میر اس کو رائیگاں کھوتا ہے کیا

قسم جو کھایے تو طالع زلیخا کی
عزیز مصر کا بھی صاحب اک تمام لیا
خواب رہتے تھے مسجد کے آگے بیٹانے
نگاہ مست نے ساتی کی انتقام لیا
وہ کچ روٹ نہ ملا راستے میں مجھ سے کبھی
نہ سیدھی طرح سے اُن نے مرا سلام لیا
مزا دکھا دیں گے بے رحمی کا تری حیا
گر اضطرابِ اسیری نے زیرِ دام لیا
مرے سلیقے سے میری بھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا
اگرچہ گوشہ گزین ہوں میں شاعروں میں بہر
پہ میرے شور نے روئے زمین تمام لیا

□□□

میر کے قابل ہے دل صد پارہ اُس بچیر کا
جس کے ہر کلمے میں ہو پیوست پیکانِ تیر کا
سب کھلا بارغِ جہاں لا پہ حیران و خفا
جس کو دل سمجھے تھے ہم سو غنچہ تھا تصویر کا
بوئے خوں سے جی دکا جاتا ہے اے یاد بہار
ہو گیا ہے چاکِ دل شاید کسو دلگیر کا

کیونکہ نقاشِ ازل نے نقشِ اہرو کا کیا
کام ہے اک تیرے منہ پر کھینچنا شمشیر کا
رہ گزر سبیلِ حوادث کا ہے بے بنیاد دہر
اس خرابے میں نہ کرتا قصد تم نصیر کا
بس طعین اُٹھ جا رہی بالیس سے مت دے دوسر
کام جاں آخر ہوا اب فائدہ تدبیر کا
نالہ کش ہیں عہدِ پیری میں بھی تیرے در پہ ہم
قد خم گشت ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا
جو ترے کوچہ میں آیا پھر دینا گاڑا اسے
تشنہ خوں میں تو ہوں اس خاکِ دانگیر کا
خون سے میرے ہوئی یکدم خوشی تم کو تو لیک
مفت میں جاتا رہا جی ایک بے نصیر کا
نصیبِ دل سے جون چھڑی پھولوں کی گوندی ہے دلی
فائدہ کچھ اے جگر اس آہ بے تاثیر کا
گورِ مجنوں سے بنادیں گے کہیں ہم بے نوا
عیب ہے ہم میں جو چھوڑیں ڈھیر اپنے پیر کا
کس طرح سے مانے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے تک چہرہ تو دیکھو میر کا

□□□

کئی دن سلوک دواغ کا مہر سے در پہنچے دل زار تھا
 کبھو درد تھا کبھو داغ تھا کبھو زخم تھا کبھو دار تھا
 دم صبح بزم خوش جہاں شب غم سے کم نہ تھے مہریاں
 کہ چراغ تھا سو تو دور تھا جو چنگ تھا سو غبار تھا
 دل خستہ جو لبو ہو گیا تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک
 کبھو سوز سینہ سے داغ تھا کبھو درد و غم سے دنگار تھا
 دل مضطرب سے گزر گئے شب وصل اپنی ہی فکر میں
 نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا نہ تکلیب تھا نہ قرار تھا
 جو نگاہ کی بھی پلک اٹھا تو ہمارے دل سے لبو بہا
 کہ وہ ہیں وہ نازک بے خطا کسو کے کیجئے کے پار تھا
 یہ تہاں ان دنوں دوستاں مڑے جس کے غم میں ہے خوں پکاں
 وہی آفت دل عاشقان کسو وقت ہم سے بھی یار تھا
 نہیں تازہ دل کی شکستگی یہی درد تھا یہی شکستگی
 اُسے جب سے ذوق شکار تھا اُسے زخم سے سروکار تھا
 کبھو جانے گی جو ادھر صبا تو یہ کبھو اُس سے کہ بیوتا
 مگر ایک میر شکستہ پا ترے باغ تازہ میں خار تھا

□□□

مہر کی تجھ سے توقع تھی شکر نکلا
 مہم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا

داغ بولیں رنج محبت سے کہ اتنا ہے تاب
 کس کی تمسکین کے لئے گھر سے تو باہر نکلا
 جیتے جی آہ ترے کوچے سے کوئی نہ پھرا
 جو ختم دیدہ رہا جا کے سو مہر کر نکلا
 دل کی بربادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ
 جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا
 ایک تر قطرہ خون لخت جگر پارہ دل
 ایک سے ایک عدد آنکھ سے بہہ کر نکلا
 کج کاوی جو کی سینے کی غم جہراں نے
 اس دینے میں سے اقسام جواہر نکلا
 ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر
 پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

□□□

گری سے میں تو آتش غم کی پگھل گیا
 راتوں کو روتے روتے ہی جوں طبع گل گیا
 ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
 تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا
 گری عشق مانع نشوونما ہوئی
 میں وہ نہال تھا کہ اگا اور خیل گیا

مستی میں چھوڑ دے کو کعبہ چلا تھا میں
لفوش بڑی ہوئی تھی لیکن تسخیل کیا
ساتی نشے میں تھہ سے لٹھا شیشہ شراب
چل اب کہ دشت تاک کا جو بن تو ڈھل گیا
بر ذرہ خاک تیری گلی کی ہے بے قرار
یاں کون سا ستم زدہ مانی میں زل گیا
عریاں تنی کی شوشی سے دیوانگی میں میر
بھٹوں کے دشت خار کا داماں بھی چل گیا

□□□

تا بمقدور انتظار کیا دل نے پھر زور بے قرار کیا
ہم فقیروں سے بے ادائیگی آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا
دشمنی ہم سے کی زمانے نے کہ بھٹا کار تھہ سا یار کیا
یہ تو ہم کا کارخانہ ہے یاں وہی ہے جو اعتبار کیا
ایک تارک نے اسکی مرگاں کے طائر سدرہ تک شکار کیا
صدرگ جاں کو تاب دے باہم تیری زلفوں کا ایک تار کیا
سخت کافر تھا جن نے پہلے میر
نہیب عشق اختیار کیا

□□□

آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا
اس باد نے ہمیں تو دیا سا بجھا دیا

تجلی نہ باد صبح کہ آ کر اٹھ گیا
اس فتنہ زمانہ کو تاجق چکا دیا
پوشیدہ راز عشق چلا جائے تھا سو آج
بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اٹھا دیا
اس مون خیز دہر میں ہم کو قضا نے آہ
پانی کے بلبلے کی طرح سے مٹا دیا
تھی لاگ اس کی تیغ کو ہم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گھلے سے ملا دیا
سب شور ما دمن کو لیے سر میں مر گئے
یاروں کو اس فسانے نے آخر سلا دیا
آوارگان عشق کا پوچھا جو میں نشان
مشت فہار لے کے حبا نے اڑا دیا
اجزا بدن کے چٹنے تھے پانی ہو بہ گئے
آخر گداز عشق نے ہم کو بہا دیا
کیا کچھ نہ تھا ازل میں نہ طالع جو تھے درست
ہم کو دل شکستہ قضا نے دلا دیا
گویا محاسبہ مجھے دینا تھا عشق کا
اس طور دل سی چیز کو میں نے لگا دیا
مدت رہے گی یاد ترے چہرے کی جھٹک
جلوے کو جس نے ماہ کے جی سے بھلا دیا

ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی زیاں
دل جو دیا تھا سو تو دیا سر جدا دیا
لوئے کباب سوخت آئی داغ میں
شاید جگر بھی آتش غم نے جلا دیا
تکلیف درد دل کی عبت ہم نشیں نے لی
دردِ سخن نے میرے سہوں کو ملا دیا
اُن نے تو حق کھینچی تھی پُر جی چلا کے میر
ہم نے بھی ایک دم میں تماشا دکھا دیا

□□□

وہ جو پی کر شراب نکلے گا کس طرح آفتاب نکلے گا
مختب سیکدہ سے جاتا نہیں یاں سے ہو کر خراب نکلے گا
میں چپ ہے تو درد دل کہتے منہ سے کیونکر جواب نکلے گا
جب اٹھے گا چہان سے یہ نقاب تب ہی اس کا حجاب نکلے گا
عرق اس کا بھی مونہہ کا بوجھ گر کہو یہ گلاب نکلے گا
آؤ بالیں تلک نہ ہو کے دیر جی ہمارا شباب نکلے گا
دُختر داغ ہے جگر اس میں کسو دن یہ حساب نکلے گا
تذکرے سب کے بھر دیں گے ہرے جب مرا انتخاب نکلے گا

میر دیکھو گے رنگِ نرگس کا

اب جو وہ مستِ خواب نکلے گا

□□□

تجائل تغافل تسابل کیا
ہوا کام مشکل توکل کیا
نہیں تاب لاتا دل زار اب
بہت ہم نے صبر و تحمل کیا
زمین غزل ملک سی ہو سکی
یہ قطعہ تصرف میں بالکل کیا
جنوں تھا نہ چکو نہ چپ رہ سکا
کہ زنجیر نوئی تو میں غل کیا
نہ سوہ دروں فصل گل میں چھپا
سرو سینہ سے داغ نے گل کیا
ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا
غلاموں سے اُس کے توسل کیا
حقیقت نہ میر اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تال کیا

□□□

سینہ کو پی ہے طیش سے غم ہوا
دل کے جانے کا بڑا ماتم ہوا

آنکھیں دوزخیں خلق جا اودھم گری
 اٹھ گیا پردہ کہاں اودھم ہوا
 کیا نکھوں رویا جو لکھتے جوں قلم
 سب مرے نامے کا کاغذ نم ہوا
 ہم جو اس بن خوار ہیں حد سے زیاد
 یاریاں تک آن کر کیا کم ہوا
 آ گیا یوں ہی خراماں وہ تو پھر
 حشر کا ہنگامہ تہی برہم ہوا
 درہمی سے رہتی سے دیکھ لو
 دونوں عالم کا عجب عالم ہوا
 جسم خاکی کا جہاں پردہ اٹھا
 ہم ہوئے وہ میر وہ سب ہم ہوا

□□□

دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ یہ دل ہے کیا
 ایسے نادان دربار کے لئے کا حاصل ہے کیا
 جانتا باطل کسو کو یہ قصور فہم ہے
 حق اگر سمجھے تو سب کچھ حق ہے یاں باطل ہے کیا
 مرثیہ میرے بھی دل کا رقت آور ہے بلا
 مختصم کو میر میں کیا جانوں اور مقتل ہے کیا

□□□

ہو بلبل گلگشت کہ اک دن ہے خزاں کا
 اڑتا ہے ابھی رنگ گل باغ جہاں کا
 ہے مجھ کو یقین تجھ میں وفا ایسی جفا پر
 گر خاک برابر ہوئے اس میرے گماں کا
 سینے میں مرے آگ لگی میرے سخن سے
 جوں شمع جلایا ہوا ہوں اپنی زباں کا
 آرام عدم میں نہ تھا ہستی میں نہیں ہیں
 معلوم نہیں میر ارادہ ہے کہاں کا

□□□

کیا پوچھو ہو کیا کہنے میاں دل نے بھی کیا کام کیا
 عشق کیا تا کام رہا آخر کو کام تمام کیا
 مجھ کیا سوا اس مفد نے قدر ہماری یہ کچھ کی
 تیری چڑھائی قصہ کیا جب ہم نے جھک کے سلام کیا
 کہنے کی بھی کہنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
 آخر دل کی چٹائی سے خط بھیجا پیغام کیا
 عشق کی تہمت جب نہ ہوئی تھی کاہیکو ایسی شہرت تھی
 شہر میں اب رسوا ہیں یعنی بدنامی سے کام کیا

ریگستان میں جا کے رہیں یا سنکستان میں ہم جوگی
رات ہوگی جس جاگہ ہم کو ہم نے وہیں بسرام کیا

فطرت و کتابت لکھتا اُس کو ترک کیا تھا اس لیے
حسرت سے بچا لو ہو اب جو کچھ ارتقام کیا
اس کا تو شہد و شکر ہے ذوق میں ہم تاکاموں کے
لوگوں میں لیکن پوچھ کہا یہ لطف ہے ہنگام کیا
میر جو ان نے منہ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی
لطف کیا 'احسان کیا' 'انعام کیا' 'اکرام کیا'

□□□

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جی کا جانا بھر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا
عشق کیا سو دین گیا 'ایمان گیا اسلام گیا'
دل نے ایسا کام کیا جس سے میں تاکام گیا
کس کس اپنی کل کو رووے جہراں میں بیگل اسکا
خواب گئی ہے تاب گئی ہے چین گیا آرام گیا
آیا یاں سے جاتا ہے قوی کا چھپانا کیا حاصل
آج گیا یا کل جادے گا صبح گیا یا شام گیا
ہائے جوانی کیا کیا کہتے خورشروں میں رکھتے تھے
اب کیا ہے وہ عہد گیا 'وہ موسم وہ ہنگام گیا'

گالی 'جھڑکی' خشم و خشونت یہ تو سر دست اکثر ہیں
لطف گیا 'احسان گیا' 'انعام گیا' 'اکرام گیا'
لکھتا کہتا ترک ہوا تھا آپس میں تو مدت سے
اب جو قرار کیا ہے دل سے خط بھی گیا پیغام گیا
نالہ میر اسوا میں ہم تک دویش شب سے نہیں آیا
شاید شہر سے ظالم کے عاشق وہ بدنام گیا

□□□

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کا ہے کو سوتا رہے گا
میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
بنے ابر ہر سال روتا رہے گا
مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا
بس اے گریہ آنکھیں ترے کیا نہیں ہیں
کہاں تک جہاں کو ڈھوتا رہے گا
میرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے
جس کے بھی جو ہوش کھوتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

بس اسے میر مرغاں سے پوچھ آسوں کو
تو کب تک یہ مولیٰ پروتا رہے گا

□□□

بار بار گور دل جھکا لایا اب کے شربہ وفا بجا لایا
قدر رکھتی نہ تھی متاع دل سارے عالم میں دکھا لایا
دل کہ اک قطرہ خون نہیں ہے پیش ایک عالم کے سر بلا لایا
سب یہ جس بار نے گرائی کی اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا
دل مجھے اس گلی میں لجا کر اور بھی خاک میں ملا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے ہیں ہمت کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

□□□

ہر دم طرف ہے دیے مزاج کرخت کا
کھڑا مرا ہگر ہے کہو سنگ سخت کا
ہمزان تازہ رو کی جہاں جلوہ گاہ تھی
اب دیکھئے تو واں نہیں سایہ درخت کا
جوں برگ ہائے اللہ پریشان ہو گیا
مذکور کیا ہے اب جگر لخت لخت کا

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تک دماغ جنہیں تاج و تخت کا
خاک سیہ سے میں جو برابر ہوا ہوں میر
سایہ پڑا ہے مجھ پر کسو تیرہ بخت کا

□□□

سم میں نہ جانا غم ہی سدا رہے گا
دشمن جو ہے یہ مہلت سویاں دہا رہے گا
برقع اٹھے پہ اس کے ہو گا جہان روشن
خورشید کا ٹکنا کیونکر چھپا رہے گا
اک وہم سی رہی ہے اپنی نمود تن میں
آتے ہو اب تو آؤ پھر ہم میں کیا رہے گا
مذکور یار ہم سے مت ہمنشین کیا کر
دل جو بجا نہیں ہے پھر اس میں جا رہے گا
دل ہی کے غم میں گزری اپنی تو عمر ساری
تیار عاشقی یہ کس دن بھلا رہے گا
اس گل بغیر جیسے ہر بہار عاشق
تالاں جدا رہے گا روتا جدا رہے گا
دانستہ ہے تغافل غم کہنا اس سے حاصل
تم درد دل کہو گے وہ سر جھکا رہے گا

اب چمکی اُس کی تم نے دیکھی کبھو جو یار
برسوں تک اسی میں پھر دل سدا رہے گا

□□□

بھلا ہوگا کچھ اک احوال اس سے یا برا ہوگا
مال اپنا ترے غم میں خدا جانے کر کیا ہوگا
تلفص فائدہ ناصح تدارک تجھ سے کیا ہوگا
وہی پاوے گا میرا درد دل جس کا لگا ہوگا
کسو کو شوق یارب بیش اس سے اور کیا ہوگا
قلم ہاتھ آگئی ہوگی تو سو خط لکھا ہوگا

دکانیں حسن کی آگے ترے تختہ ہوئی ہوں گی
جو تو بازار میں ہوگا تو یوسف کب بکا ہوگا
معیشت ہم فقیروں کی سی اخوانِ زماں سے کر
کوئی گالی بھی :۔ تو کہہ بھلا بھائی بھلا ہوگا

خیال اس بیوفا کا ہمنشین اتنا نہیں اچھا
گماں رکھتے تھے ہم بھی یہ کہ ہم سے آہستہ آہستہ
قیامت کر کے اب تعمیر جس کو کرتی ہے خلقت
وہ اس کوچہ میں ایک آشوب سا شاید ہوا ہوگا

عجب کیا ہے ہلاک عشق ہیں فرہاد و بجنوں کے
محبت روگ ہے کوئی کہ کم اس سے جیا ہوگا

نہ ہو یوں غیرت گلزار وہ کوچہ خدا جانے
اب اس خاک پر کن کن عزیزوں کا گرا ہوگا

بہت بسے اس گلشن کے زنجیری رہا ہوں میں
کبھو تم نے بھی میرا شور نالوں کا سنا ہوگا
نہیں جز عرش جاگہ راہ میں لینے کو دم اس کے
تفس سے تن کے مرغ روح میرا جب رہا ہوگا

کہیں ہیں میر کو مارا گیا شب اُس کے کوچے میں
کہیں دشت میں شاید پیٹھے پیٹھے اٹھ گیا ہوگا

□□□

یاں نام یار کس کا درد زباں نہ پایا
پر مطلقا کہیں ہم اُس کا نشان نہ پایا

وضع کشیدہ اس کی رکھتی ہے داغ سب کو
نیتا کسو سے ہم وہ ابرو کماں نہ پایا

پایا نہ یوں کہ کرے اُس کی طرف اشارت
یوں تو جہاں میں ہم نے اُس کو کہاں نہ پایا

پہ دلی کہ خون ہووے بر جانہ تھا ورنہ
وہ کوئی جگہ تھی اس کو جہاں نہ پایا

فتنے کی گرچہ باعث آفاق میں وہی تھی
لیکن کمر کو اس کی ہم درمیاں نہ پایا

محروم سجدہ آخر جانا پڑا جہاں
جوش جہاں سے ہم وہ آستان نہ
ایسی ہے میر کی بھی مدت سے روئی صورت
چہرے پہ اس کے کس دن آسوروں نہ پایا

□□□

جو یہ دل ہے تو کیا سراپام ہوگا
نہ خاک بھی خاک آرام ہوگا
مرا جی تو آنکھوں میں آیا یہ سنے
کہ دیدار بھی ایک دن عام ہوگا
نہ ہوگا وہ دیکھا جسے لیک تو نے
وہ اک بارغ کا سرو اندام ہوگا
نہ نکلا کرتا بھی ہے پردہ گھر سے
بہت اس میں ظالم تو بدنام ہوگا
ہزاروں کی بیاں لگ گئیں چہیت سے آنکھیں
تو اے ماہ کس شب لب بام ہوگا
جگر چاک، ناکائی، دنیا ہے آخر
نہیں آئے جو میر کچھ کام ہوگا

□□□

نہ پوچھ خواب زلیخا نے کیا خیال لیا
کہ کاروان کا کتھاں کے جی نکال لیا
رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بل ہم بھی
شکست پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
رہوں ہوں برسوں سے ہمدوش پر کھو ان نے
گلے میں ہاتھ مرا چار سے نہ ڈال لیا
تاں کی میر ستم وہ نگاہ ہے جس نے
خدا کے واسطے بھی خلق کا وبال لیا

□□□

نفاش دیکھ تو میں کیا نقش یار کھینچا
اس شوخ کم نما کا نص انتظار کھینچا
رسم قلم و عشق مت پوچھ کچھ کہ تاق
ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا
تھا بد شراب ساقی تھا کہ رات سے سے
میں نے جو ہاتھ کھینچا اُن نے کنار کھینچا
مستی میں شکل ساری نفاش سے کھینچی پر
آنکھوں کو دیکھ اُس کی آخر شمار کھینچا
جی کھینچ رہے ہیں او دھر عالم کا ہوگا بلوا
گر شائے تو نے اُس کی زلفوں کا تار کھینچا

تھے شب کے کسائے تیغ کشیدہ کف میں
پیر میں نے بھی بغل میں بے اختیار کھینچا
پھرتا ہے میر تو جو پھاڑے ہوئے گریباں
کس کس ستم زوے نے دامن یار کھینچا

□□□

عزے نے اس کے چوری میں دل کی خبر کیا
اُس خانماں خراب نے آنکھوں میں گھر کیا
رنگ اڑ چلا چمن میں گلوں کا تو کیا سہم
ہم کو تو روزگار نے بے بال و پر کیا
نافع جو تھیں مزاج کو اول سہ عشق میں
آخر انہیں دواؤں نے ہم کو ضرر کیا
کیا جانوں بزم عیش کہ ساقی کی چشم دیکھ
میں صحت شراب سے آگے سفر کیا
جس دم کہ تیغ عشق کھینچی بواہوں کہاں
سن لچو کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا
دل زخمی ہو کے تھ تھیں پہنچا تو کم نہیں
اس نیم کشیدہ نے بھی قیامت جگر کیا
ہے کون آپ میں جو لے لے تھ سے مست ناز
ذوقِ خبر ہی نے تو ہمیں بے خبر کیا

وہ دشتِ خونک رہا ہے مرا وطن
سن کر بنے خطر نے سفر سے حذر کیا
کچھ کم نہیں ہیں شعبہ بازوں سے بے گسار
دارو پلا کے شیخ کو آدم سے خر کیا
چاروں طرف ہیں نیسے کھڑے گردباد کے
کیا جانے جنوں نے ارادہ کدھر کیا
لکنت حری زبان کی ہے حشر جس سے شوخ
اک حرف نیم گفت نے دل پر اثر کیا
بے شرم شخص ہے وہ کنہکار جن نے میر
ابو کرم کے سامنے دامن تر کیا

□□□

ہاتھ سے تیرے اگر میں تاتواں مارا گیا
سب کہیں گے یہ کہ کیا اک نیم جاں مارا گیا
یک نگہ سے ہیں کچھ نقصان نہ آیا اُس کے تئیں
اور میں بیچارہ تو اسے مہرباں مارا گیا
وصل و ہجراں کا جو دو منزل ہیں راہِ عشق کی
دلِ غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا
دل نے سر کھینچا دیا عشق میں اسے بواہوں
وہ سراپا آرزو آخر جواں مارا گیا

کب نیاز عشق تاز حسن سے کہنے ہے ہاتھ
آخر آخر میر سر بر آستان مارا گیا

□□□

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لبو آتا ہے جب نہیں آتا
ہوش جاتا نہیں رہا لیکن
جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
صبر تھا ایک مونس بہراں
سو وہ مدت سے اب نہیں آتا
دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش
مگر یہ کچھ بے سبب نہیں آتا
عشق کو حوصلہ ہے شرط ورنہ
بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہدم
پر سخن تا بلب نہیں آتا
دور بیضا غبار میر اس سے
عشق کن یہ ادب نہیں آتا

□□□

دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا
جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا
اگرچہ عمر کے دس دن یہ لب رہے خاموش
خج رہے گا سدا میری کم زبانی کا
سک ہے آوے جو مندیل رکھ نماز کو شیخ
رہا ہے کون سا اب وقت سرگانی کا
ہزار جان سے قربان ہے پری کے ہیں
خیال بھی کبھو گزرا نہ پر نشانی کا
پھرے ہے کہنے ہی تلوار مجھ پہ تو ہر دم
کہ صید ہوں میں حری دشمنی جانی کا
نمود کر کے وہیں سحر غم میں بیٹھ گیا
کہے تو میر بھی اک بلبل تھا پانی کا

□□□

مو میں سجدہ میں پر نقش میرا یار رہا
اب چہ سری خاک سے غبار رہا
جنوں میں ابکی مجھے اپنے دل کا غم ہے پیچیدہ
خبر لی جبکہ نہ جاے میں ایک تار رہا
بشر ہے وہ پہ کھلا جب سے اس کا دام زلف
نہ رہ اس کی فرشتے ہی کا شکار رہا

کھوند آنکھوں میں آیا وہ شوخ خواب کی طرح
تمام عمر ہمیں اس کا انتظار رہا
شراب عیش میسر ہوئی جسے اک شب
پھر اس کو روز قیامت تک خوار رہا
بتاں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا
وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا
وہ دل کہ شام و سحر جیسے پک پھوڑا تھا
وہ دل کہ جس سے ہمیشہ جگر نگار رہا
تمام عمر گئی اس پہ ہاتھ رکھتے ہمیں
وہ دردناک علی الرغم بیقرار رہا
ستم میں غم میں سرانجام اس کا کیا کہئے
ہزاروں حسرتیں تھیں نس پہ جی کو مار دیا
بہا تو خون ہو آنکھوں کی راہ پہ نکلا
رہا جو سینہ سوزاں میں داغ دار رہا
سو اس کو ہم سے فراموش کار یوں لگے
کہ اس سے قطرہ خون بھی نہ یادگار رہا
گلی میں اس کی گیا سو گیا نہ بولا پھر
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا

□□□

دل کے تئیں آتش جہراں سے بنایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر ہم سے بچایا نہ گیا
دل میں رہ دل میں کہ معیار قضا سے اجنب
ایسا مطبوع مکاں کوئی بنایا نہ گیا
کبھو عاشق کے ترے جسے سے ناخن کا خراش
خطِ تقدیر کے مانند منایا نہ گیا
کیا تک حوصلہ تھی دیدہ دل اپنی آہ
ایک دم راز محبت کا چھپایا نہ گیا
دل جو دیدار کا قاتل کے بہت بھوکا تھا
اس تم کشتہ سے اک زخم بھی کھایا نہ گیا
میں تو تھا صید زبوں صیدِ عمر عشق کے بیچ
آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا
شہر دل آہ عجب جائے تھی پر اس کے گھمے
ایسا اجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

□□□

آگے جمال یار کے معذور ہو گیا
گل اک چمن میں دیدہ بے نور ہو گیا
یک چشمِ بختِ بے کہ دیکھے ہے کب سے راہ
جوں زخمِ تیری دوری میں ناسور ہو گیا

قسمت تو دیکھ شیخ کو جب لہر آئی تپ
 دروازہ شیرہ خانے کا معمور ہو گیا
 پہنچا قریب مرگ کے وہ صید ناقبول
 جو تیرے صید گاہ سے نکل دور ہو گیا
 دیکھا یہ ناؤ و فوش کہ عیش فراق سے
 سینہ تمام خاندہ زنبور ہو گیا
 اُس ماہ چارودہ کا چھپے عشق کیونکہ آہ
 اب تو تمام شہر میں مشہور ہو گیا
 شاید کسو کے دل کو لگی اُس کلی میں چٹ
 میری بغل میں شیشہ دل چور ہو گیا
 دیکھا جو میں نے یار تو وہ میر ہی نہیں
 تیرے غم فراق میں رنجور ہو گیا

□□□

عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
 اس جنس کا یاں ہم نے خریدار نہ پایا
 غیروں ہی کے ہاتھوں میں رہے دست نگاریں
 کب ہم نے ترے ہاتھ سے آزار نہ پایا
 حق ڈھونڈنے کا آپ کو آتا نہیں ورنہ
 عالم ہے سبھی یار کہاں یار نہ پایا

جانی ہے نظر جس پہ گم چشم پریدن
 یاں ہم نے پر کاہ بھی بیکار نہ پایا
 تصویر کے مانند لگے در ہی سے گزری
 مجلس میں تری ہم نے کبھو بار نہ پایا
 سوراخ ہے سینے میں ہر اک شخص کے تھہرے
 کس دل کے ترا تیر گمہ پار نہ پایا
 مربوط ہیں تجھ سے بھی یہی ناکس و ناائل
 اس بارغ میں ہم نے گل بے خار نہ پایا
 دم بعد جنوں مجھ میں نہ محسوس تھا یعنی
 جامہ میں مرے یاروں نے اک تار نہ پایا
 آئینہ بھی حیرت سے محبت کی ہوئے ہم
 پر سیر ہو اس شخص کا دیدار نہ پایا
 وہ کھینچ کے شمشیر ستم رہ جو گیا میر
 خوں ریزی کا یاں کوئی سزاوار نہ پایا

□□□

اس کا خرام دیکھ کے جایا نہ جائے گا
 اے کبک پھر بھال بھی آیا نہ جائے گا
 ہم کشتگان عشق ہیں ابد و چشم یار
 سر سے ہمارے تیغ کا سایا نہ جائے گا

ہم رہروانِ راہِ فنا ہیں رنگِ عمر
جاویں گے ایسے کھوج بھی پایا نہ جائے گا
پھوڑا سا ساری رات جو چکنا رہے گا دل
تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
اپنے شہیدِ ناز سے بس ہاتھ اٹھا کر پھر
دیوانِ حشر میں اُسے لایا نہ جائے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
ہم بیخودانِ محفلِ تصویرِ اب گئے
آئندہ ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا
گو بیہوشوں کو نال دے آگے سے کوئین
سنگِ گرانِ عشق اٹھایا نہ جائے گا
یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادانِ پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

□□□

بہتوں کو آگے تھا یہی آزارِ عشق کا
جیتا رہا ہے کوئی بھی پیارِ عشق کا

خوابِ مرگ میں ہی ہوا ہوں مگر نیا
جی بیچنے سے ہی ہے خریدارِ عشق کا

منصور نے جو سر کہ سنایا تو یہ ہوا
ہر سر کہیں ہوا ہے سزا وارِ عشق کا
جاتا وہی نہ ہمہ سرتِ جہان سے
ہوتا ہے جس سے بہت پیارِ عشق کا
پھر بعد میرے آج تلک سر نہیں بنا
اک عمر سے سدا ہے بازارِ عشق کا
لگ جاوے دل کہیں تو اتنی میں ہے رکھ
رکھتا نہیں شہون چھ اظہارِ عشق کا
چھوٹا جو مر کے قیدِ عبارات میں بیٹھا
القصہ کیا رہا ہو گرفتارِ عشق کا
مشکل ہے عمر کا کئی تلوار کے تلے
سر میں خیال گو کہ رکھیں یارِ عشق کا
داں رستموں کے کوئی کو دیکھا ہوئے ہیں قطع
پورا جہاں لگا ہے کوئی وارِ عشق کا
کھو ہی رہا نہ جان کو نا آؤدودہ کار
ہوتا نہ میر کا شِ طلبگارِ عشق کا

□□□

دل فرما اضطراب سے سیماں سا ہوا
چہرہ تمام زرد و زرتاب سا ہوا

شاہ جگر گداختہ یک لخت ہو گیا
 تاکہ آپ دیدہ رات سے خوں تاب سا ہوا
 • دے دن گئے کہ اشک سے چہر کاؤ سا کیا
 اب روئے لگ گئے ہیں تو تالاب سا ہوا
 اک دن کیا تھا یار نے قد ناز سے بلند
 فجات سے سرو جوئے چمن آب سا ہوا
 کیا اور کوئی روئے کہ اب جوش اشک سے
 حلقہ ہماری چشم کا کرداب سا ہوا
 قصہ تو مختص تھا ولے طول کو کھینچا
 ایماز دل کے شوق سے اغتاب سا ہوا
 علامہ ہے موذن مسجد کہ بارِ خر
 قد تو ترا خمیدہ ہو خراب سا ہوا
 بات اب تو سن کہ جائے سخن حسن میں ہوئے
 خط پشت لب کا سبزہ خراب سا ہوا
 اب باغ میں بھی مورتے سے اٹھ کر کھوکھل
 تک نیک کے راہ دیدہ بے خواب سا ہوا
 سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اُسی گھڑی
 جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا

□□□

کل کو محبوب ہم قیاس کیا
 دل نے بعد کو مثال آئینہ
 چو نہیں سہ جنتا ہمیں اُس بن
 عشق میں ہم سے نہ دوانے
 • ور سے چرخ کے نکل نہ سکے
 صبح نیک سخن سر کو حقیقی رہی
 ایسے دُش بہاں ہیں اسے خواہاں
 میر • تم حبث اُداس کیا

□□□

کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو
 ایب نہ رو کہ رونے پہ تیرے بلی نہ ہو
 پایا گیا وہ گوہر نایاب سبل کب
 نکلا ہے اُس کو ڈھونڈنے تو پہلے جان کھو
 سننے نہیں کہے جو نہ کہے تو دم زکے
 کچھ پوچھے نہ قصہ ہمارا ہے گو گو
 ہے شعر بے دماغی پہ مطلق نہ یوانا
 ہم دیں تمہیں دعا ہمیں تم گالیاں تو دو
 کرتا جگر ضرور ہے دل دادگاں کو بھی
 وہ یوانا نہیں تو تم آپ ہی سے چھیڑ لو

اے غافلانِ زم یہ کچھ پرواہ کی سے بات
چلے کو قافلے میں یہاں تم رہے ہو س
گردش میں جو کوئی ہو رکھے اس سے کیا امید
دن رات آپ ہی چرخ میں سے آسان تو
جب دیکھتے ہیں پاؤں ہی دلوں ہو اس نے یہ
کیوں ہو پتے ہو ذلیل تم اتنا تو مت

□□□

قیامت تھا سماں اس خشکیں پر
کہ کھواریں چلیں ابرو کی چیں پر
نہ دیکھا آخر اس آئینہ رو کو
نظر سے بھی نگاہ واپس پر
گئے دن بجز و نالہ کے کہ اب ہے
داغِ نالہ چرخِ بقیہیں پر
ہوا ہے ہاتھ گلدستہ ہمارا
کہ داغِ خوں بہت ہے آتش پر
خدا جانے کہ کیا خواہش ہے جی کو
نظر اپنی نہیں ہے مہر کیوں پر
پُر انشائی نفس ہی کی بہت ہے
کہ پرواز چمن قابل نہیں ہے

بیر میں اپنے باقی روتے روتے
انچ کچھ نہیں ہے ہمنش پر
کیوں جو آنکھ سے چلتے ہیں آنسو
تو پھر جاتا ہے پانی سب زبیں پر
قدم دشتِ محبت میں نہ رکھ ہے
کہ سر جاتا ہے گامِ اوتیں پر

□□□

نصے سے اٹھ چلے ہو جو دامن کو چھڑا کر
جاتے رہیں گے ہم بھی گریبان پہاڑ کر
دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کر
یارِ ب رہ طلب میں کوئی کب تک پھرے
تسکین دے کر بیٹھ رہوں پاؤں گاڑ کر
منظور ہو نہ پاکی ہمارا تو حیف ہے
آئے ہیں آج دور سے ہم چھ کو تاز کر
غالب کہ دیوے قوتِ دل اس ضعیف کو
تکے کو جو دکھاوے ہے پٹی میں پہاڑ کر
ٹھٹھ گئے کامِ دل کے کچھ اب اہلِ ریش سے
کچھ ڈھیر کر چکے ہیں یہ آگے اکھاڑ کر

اس فن کے پیرواں سے کشی رہی ہے یہ
بہتوں کو ہم نے زیر کیا ہے پچھاڑ کر

□□□

قصد گر امتحان ہے پیارے
اب تلک نیم جان ہے پیارے
عہدہ کرنے میں سر نہیں ہیں جہاں
سو حرا آستان ہے پیارے
گفتگو رختے میں ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے
کام میں قتل کے مرے تن دے
اب تلک مجھ میں جان ہے پیارے
چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس
یہ ہمارا نشان ہے پیارے
شکلیں کیا کیا کیا ہیں جن کی خاک
وہی آسمان ہے پیارے
جا چکا دل تو یہ یقینی ہے
کیا اب اس کا بیان ہے پیارے
خیر خیرم کے کرنے سے تیرے
نہ لب پر گمان ہے پیارے

میر عدا بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

□□□

جس جگہ دور جام ہوتا ہے
ہم تو اک حرف کے نہیں مہمون
کیسا خط و پیام ہوتا ہے
تبغ ناکاموں پر نہ ہر دم کھینچ
اک کرشمہ میں کام ہوتا ہے
پوچھ مت آہ عاشقوں کی معاش
روز ان کا بھی شام ہوتا ہے
رزم بن غم بن اور غصہ بن
اپنا کھانا حرام ہوتا ہے
شیخ کی سی ہی شکل ہے شیطان
جس پہ شب احلام ہوتا ہے
میر صاحب بھی اُس کے ہاں تھے پر
جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

□□□

تن ہجر میں اس یار کے رہنور ہوا ہے
بے طاقتی دل کو بھی مقدر ہوا ہے
پہنچا نہیں اس مع مبارک میں مرا حال
یہ قصہ تو اس شہر میں مشہور ہوا ہے
بیژدلی حری آنکھوں پہ دیکھوں ہوں مگر دات
افسانہ مرے حال کا مذکور ہوا ہے

کل صبح ہی سستی میں سر راہ نہ آیا
یاں آن مرا عیشے دل چور ہوا ہے
کیا سوچھے اس کی ہو یوسف ہی نظر میں
یعقوب بنیا آنکھوں سے معذور ہوا ہے
پر شور ہے یہ عشق معنی پیراں کے
یہ کلسہ سر کلسہ ظبور ہوا ہے
لکوار لئے پھرنا تو اب اس کا ثنا میں
نزدیک مرے کب کا یہ سر دور ہوا ہے
خورشید کی محشر میں پیش ہوگی کہاں تک
کیا ساتھ مرے داغوں کے محشور ہوا ہے
اے رعب کر بزم میں لے من پناہ اب
اک شمع کا چہرہ ہے سو بے نور ہوا ہے
اُس شوق کو تک دیکھ کہ چشمِ مہراں ہے
جو دُغم جگر کا مرے ناسور ہوا ہے

□□□

چل تلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجئے
ہر سر حرف پہ فریاد نہایت کیجئے
گو کہ سر خاک قدم پر چرے لوئے اس میں
اپنا شیوہ ہی نہیں یہ کہ شکایت کیجئے

ہم جگر سوختہ کے جی میں جو آدے تو ابھی
دو دل ہو کے فلک تجھ میں سرایت کیجئے
عشق میں آپ کے گزروے نہ ہماری تو مگر
ہوش جو رہا ہوا ہم پہ عنایت کیجئے
مت چلا عشق کی رہ کی کہ ہے یاں خضر
آہی گمراہ میں ہم کس کو ہدایت کیجئے
کس کے کہنے کو ہے تائید کہ اک میری سے
رمز و ایماؤ و اشارات و کنایات کیجئے

□□□

گئے جی سے چھوئے بتوں کی جفا سے
ہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے
وہ اپنی ہی خوبی پہ رہتا ہے نازاں
مرد یا جیو کوئی اس کی بلا سے
کوئی ہم سے کھلتے ہیں بند اس قبا کے
یہ عقدے کھلیں گے کسو کی دعا سے
چشمانِ توپہ سے ہوگا عدم میں
کہ غافل چلا شیخ لطف ہوا سے
نہ رکھی مری خاک بھی اس گلی میں
کہ دردت مجھے ہے نہایت صبا سے

اگر چشم ہے تو وہی میں حق ہے
تعجب تجھے ہے عجب ماحول ہے
جگر سوئے مڑگاں ہنچا جائے ہے کچھ
مگر دیدہ تر ہیں لوہو کے پیارے
حیپ سبک عقل ہرگز نہ سمجھا
ہوا درد عشق آہ دونا دونا سے
تک اے مدعی چشم انصاف وا کر
کہ بیٹھے ہیں یہ قافیے کس ادا سے

نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت
کہو میر جی آج کیوں ہو خفا سے

□□□

نکیوں نے تیری چال جو دیکھی ٹھک گئے
دل ساکنان باغ کے تجھ سے اٹک گئے
اندوہ وصل و بھر نے عالم کھپا دیا
ان دو ہی منزلوں میں بہت یار ٹھک گئے
مطلق اثر نہ اس کے دل نرم میں کیا
ہر چند نالہائے حزیں عرش تک گئے
افراط کریم سے ہوئیں آبادیاں خراب
سیلاب میرے اٹک کے اژدر بہک گئے

اب میکہ طرف نہیں فرشتے تھے
بھر مرگاہ تو نے جون ۱۱ میں چمک گئے
چند اسے سپہر چھانی ہماری چلا کرے
اب ۱۰ اے کھاتے کھاتے کیجئے تو پک گئے
عشاق پر جو دے صف مڑگاں پھریں تو میر
جوں اٹک کتنے چو گئے کتنے ٹک گئے

□□□

زندگی ہوتی ہے اپنی غم کے بارے دیکھئے
موند لیں آنکھیں ادھر سے تم نے پیارے دیکھئے
لخت دل کب تک الٹی چشم سے چکا کریں
خاک میں تا چند ایسے لعل پارے دیکھئے
ہو چکا روز جزا اب اے شہیدان وفا
چو نکلتے ہیں خون خفتہ کب تمہارے دیکھئے
راہ دور عشق میں اب تو رکھا ہم نے قدم
رفتہ رفتہ پیش کیا آتا ہے ہارے دیکھئے
سینہ مجروح بھی قابل ہوا ہے سیر کے
ایک دن تو آن کر یہ رزم سارے دیکھئے
ایک خون ہو پہ گیا دو روتے ہی روتے گئے
دیدہ دل ہو گئے ہیں سب کنارے دیکھئے

تست شو کا اس کے پانی تنع ہو کر مہ بنا
 اور منہ بھونے کے چیموں سے ستارے دیکھے
 رہ گئے سوتے کے سوتے کارواں جاتا رہا
 ہم تو تیر اس رہ کے خوابیدہ ہیں بار دیکھے

□□□

آنکھیں لڑا لڑا کر کب تک لگا رکھیں گے
 اس پردہ ہی میں خوابوں ہم کو سلا رکھیں گے
 نذر دہن میں اس کی چھ بتی نہ آئی آخر
 اب یہ خیال ہم بھی دل سے اٹھا رکھیں گے
 مشت نمک کو میں نے بیکار کم رکھا ہے
 چھاتی کے زخم میرے دلت مڑا رکھیں گے
 ہزاراں شہر اکثر درپے ہیں آبرو کے
 اب زہر یاس اپنے ہم بھی مٹا رکھیں گے
 آنکھوں میں دلبروں کی مطلق نہیں مروت
 یہ پاس آشنائی منظور کیا رکھیں گے
 جیتے ہیں جب تک ہم آنکھیں بھی لڑتیاں ہیں
 دیکھیں تو جو خواب کب تک روا رکھیں گے
 اب چاند بھی لگا ہے تیرے سے جلوے کرنے
 شبہائے ماہ چندے تجھ کو چھپا رکھیں گے

مڑگان . چشم . آبرو . سب میں تم پہ ماں
 ان آنکھوں سے دل ہم نہ بکھر ہی رکھیں گے
 دیوان میر صاحب بہ بیگ نی سے بھل میں
 وہ چار شعر ان کے ہم بھی لکھا رکھیں گے

□□□

اپنا شعار پوچھو تو مہرباں وفا ہے
 پر اس کے جی میں ہم سے کیا چاہیے کہ کیا ہے
 بالیں یہ میری آ کر تک دیکھ شق دیدار
 سارے بدن کا جی اب آنکھوں میں آ رہا ہے
 بے اُس کے دک کے مرنے گرمی عشق میں تو
 کرتے ہیں آہ جب تک تب تک ہی کچھ ہوا ہے
 شکوہ ہے رونے کا یہ بیگانگی سے تیری
 مڑگان تر و گردن آنکھوں میں آشنا ہے
 مت کر زمین دل میں تخم امید ضائع
 بونا جو یاں اُگا ہے سو اگتے ہی جلا ہے
 شرمندہ ہوتے ہوں گے خورشید و ماہ دونوں
 خوبی نے منہ کی تیرے ظالم قراں کیا ہے
 اے شمع بزم عاشق روشن ہے یہ کہ تجھ دن
 آنکھوں میں میری عالم تاریک ہو گیا ہے

چیتے ہی جی تلک میں سارے مارے سارے
ماشق تیرا مجھو فارغ ہی ہو چکا ہے
صدحر، یک رقیہ خط یہی جی کا دیکھا
قاصد نہیں چلا ہے بارہ مگر چلا ہے

□□□□

دہم کو جائے یا دہم میں ہر سرے
تری تلاش میں اک دل کدھر کدھر کرے
کے سے، کھینچے یوں عمر کب تلک اپنی
کہ سنے نام تیرا اور چشم تر کرے
وہ مست ناز تو چلا ہے کیا جتائے حال
جو بے خبر ہو بھلا اس کے تئیں خبر کرے
ہوا ہے دن تو جدائی کا سو تعب سے شام
شب فراق کس امید پر سحر کرے
جہاں کا دید بجز ماتم نظارہ نہیں
کہ دیدنی ہی نہیں جس پہ یاں نظر کرے
جیون سے جاتے ہیں ناچار آہ کیا کیا لوگ
کبھی تو جانب عشاق بھی گزر کرے
ستم اٹھانے کی طاقت نہیں ہے اب اس کو
جو دل میں آوے تو تلک دہم میر پر کرے

□□□□

جب تلک کڑی انھائی گئی ہم گزے رہے
ایک ایک سخت بات پہ برسوں اڑے رہے
اب کیا کریں نہ صبر ہے دل کو نہ جی میں تاب
کل اس گلی میں آنکھ پہریش پڑے رہے
وہ گل کو خوب کہتی تھی میں اس کے روئے تئیں
بیل سے آتی بارش میں پھولے پڑے رہے
فریاد و قہقہے ساتھ سے سب کب کے چل بے
دیکھیں نہاں کیونکہ ہو اب ہم چھڑے رہے
کس کے تئیں نصیب گل قاتحہ ہوئے
ہم سے ہزاروں اس کی گلی میں گزے رہے
برسوں تلک نہ آنکھ ملی ہم سے یار کی
پھر گو کہ ہم بصورت ظاہر اڑے رہے
یعنی کہ اپنے عشق کے حیران کار میر
دیوار کے سے نقش در اوپر کھڑے رہے

□□□□

مشش بہت سے اس میں ظالم بوئے خوں کی راہ ہے
تیرا کوچہ ہم سے تو کہہ کس کی بیکل گاہ ہے

ایک بچے کا نہیں مڑگاں تلک پوہل میں سب
کاروان لکت دل ہر اٹک کے ہمراہ ہے
نہ جوانوں کو چھوڑا اس سے سب پکڑے گئے
یہ دو سالہ دختر روز کسی قدر شہناہ ہے
پا پر ہینڈ خاک سر میں مو ریشاں سینہ چاہ
حال میرا دیکھنے آ تیر ہی دھوہ ہے
اس جنوں پر میر کوئی بھی پھرے ہے بھر میں
جادہ صحرا سے کر سازش جو تجھ سے راہ ہے

□□□

مشکل ہے ہونا روش رضار کی بھلک کے
ہم تو بشر ہیں اُس جا پر چلتے ہیں ملک کے
مرتا ہے کیوں تو تاق یاری برادری پر
دنیا کے سارے ناتے ہیں جیتے ہی تلک کے
کہتے ہیں گور میں بھی ہیں تین روز بھاری
جاویں کدھر الٹی مارے ہوئے فلک کے
لاستے نہیں نظر میں غلطانی گھر کو
ہم معتقد ہیں اپنے آنسو ہی کی ڈھلک کے
کل اک مڑہ چوڑے طوفان نوح آیا
فکر فشار میں ہوں میر آج ہر پلک کے

□□□

ناچند ترے غم میں یوں زار رہا کیجئے
امید عیادت پر بیمار رہا کیجئے
نے اب بے جگر کاویٰ نے سید خراشی ہے
کچھ جی میں یہ آئے بے بیکار رہا کیجئے
کیفیت چشماں اب معلوم ہوئی اس کی
یہ مست ہیں دو فونی بشار رہا کیجئے
دل جاؤ تو اب جاؤ ہو خوں تو جگر ہووے
اک جان ہے کسی کسی کی غمخوار رہا کیجئے
ہے ذلت کوئی یہ بھی جو میر کرے ہے تو
ہر آن میں مرنے کو تیار رہا کیجئے

□□□

میری پرشس پہ تری طبع اگر آوے گی
صورت حال تجھے آبی نظر آوے گی
تو اس کا نہیں ایسا کہ جو چہتے گا شباب
اُس نے بخود کی بہت دیر پھر آوے گی
کہتے پیغام چن کو نہیں سو دل میں ہیں گرہ
کو دن ہم تیں بھی باد سحر آوے گی

ابہ مت گور فرمایاں پہ برس خاطر
ان دل آزاروں کے جی میں بھی لہر آوے
میر میں جیتوں میں آؤں گا اسی دن جس دن
دل نہ تڑپے گا مر، چشم نہ بھر آوے گی

۔۔۔

کیا روں شمع نہ جانی و
میں نے مر مر کے زندگانی کی
حال بدگفتی نہیں
ترسے چوچنا تو مہربانی
سب ہو جانا ہے یوں تو پہلے میر
آئی ہے اک حری جوانی کی
تشنہ لب مر گئے حریے عاشق
نہ ملی ایک بوند پانی
بیت بھٹی سمجھ کے کر بلبل
دھوم ہے میری خوش زبانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند میر نے
ابتدا پھر وی کہانی

□□□

ہے یہ بازار جنوں منڈی سے دیوانوں کی
یاں دکائیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی
کیونکہ کہنے کہ اگر گریہ، بھٹوں کو نہ تھا
گرد فناک ہے اب تک بھی بیاباؤں و
یہ بولہ تو نہیں بخت محبت میں سے
جمع ہو خاک اڑی کتنی پریشانی کی
خافقہ کا تو نہ کر قصد تک اے خانہ خراب
یہی اک رہ گئی ہے بہتی مسلمانوں کی
سبل انگوں سے بے صبر آہوں سے اڑے
مجھ سے کیا کیا نہ خرابی ہوئی دیوانوں کی
دل و دیر کیسے کہ اُس رہزن دلہا سے اب
یہ پڑی ہے کہ خدا خیر کرے جانوں کی
کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرت طبع
کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی
سرگشتیں نہ مری سن کہ اچھتی ہے نیند
خاصیت یہ ہے ہری جان ان انسانوں کی
میکدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں میر
ہو نہ لغزش کہیں مجلس ہے یہ بیگانوں کی

□□□

آئے ہمارے سہد سے وحشت کو جانتے تھی
دیوانگی کسو کی بھی زنجیر پا نہ تھی

بچانے سا لگے ہے چمن اب نزاں میں باب
ایسی گئی ہمارا گھر آشنا نہ تھی
کب تھا یہ شور و خروش ترا عشق جب نہ تھی
دل تھا ہمارا آگے تو ماتم سرا نہ تھی

وہ اور کوئی ہوگی سحر جب ہوئی قبول
شرمندہ اثر تو ہماری دماغ نہ تھی
آگے بھی تیرے عشق سے کھینچے تھے درد و رنج
لیکن کسو کے پاس متاع وفا نہ تھی

آئی پری کی پردہ مٹا سے جام تک
آنکھوں میں تیری دختر رز کیا نہ تھی
اس وقت سے کیا ہے مجھے تو چراغ و فتنہ
خلوق جب جہاں میں نسیم و صبا نہ تھی

پشمرہ اس قدر ہیں کہ ہے شب ہم کو میر
تن میں ہمارے جان بکھو بھی یا نہ تھی

□□□

تیری گلی سے جب ہم عزم سز کریں گے
ہر قدم کے اوپر پتھر جگر کریں گے

آزردہ خاطروں سے کیا فائدہ سخن کا
تو حرف سر کرو گے ہم گریہ سر کریں گے
مذہر گناہ خوباں بدتر گنہ سے ہو گا
کرتے ہوئے تلانی بے لطف تر کریں گے

سر جانیکا و لیکن آنکھیں ادھر ہی ہوگی
کیا تیری تیغ سے ہم قطع نظر کریں گے
اپنی خیر بھی ہم کو اب دیر پہنچتی ہے
کیا جاسے یار اُس کو کب تک خبر کریں گے

گردل کی تاب و طاقت یہ ہے تو ہمیشہ ہم
شام غم جدائی کیونکر سحر کریں گے
ظلم بے نہایت دیکھو تو خور و دیاں
تہمتے ہیں جو قسم ہے ہم تجھ ہی پر کریں گے

اپنے ہی جی میں آخر انصاف کر کہ کب تک
تو یہ قسم کرے گا ہم درگزر کریں گے
صانع طرفہ ہیں ہم عالم میں رخصتے کے
جو میر جی لگے گا تو سب ہنر کریں گے

□□□

چمن گیا سینہ بھی کھلیا بھی
یار کے تیز جان لیا بھی

کیوں تری موت آئی یہی عزیز
ہم سے مرے ارے جا بھی

حال کہ چپ رہا تو میں یاد
کس کا قصہ تھا ہاں کہے جا بھی
کہتے لگا نہ وہی یک اتنا
کیوں ہوا ہے سڑی اپنی جا بھی
میں کہا میر جاں بلب ہے شوخ
تو نے کوئی خبر کو بھیجا بھی

□□□

گرم جین شور سے تجھ حسن کے بازار کی
رنگ سے چلتے ہیں پوسف کے خریدار کی
کب تلک داغ دکھا دے گی اسیری مجھ کو
مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کی
دے ہی چاا کیاں ہاتھوں کی ہیں جو اول تھیں
اب گریباں میں مرے رہ گئے ہیں تار کی
خوف تہائی نہیں کر تو جہاں سے تو سز
ہر جگہ راہ عدم میں ملیں گے یار کی
اضطراب و قلق و ضعف میں کس طور جیوں
جان وادہ ہے مری اور ہیں آزار کی

□□□

دل کو تسکین نہیں ایک دھام سے بھی
اس زمانے میں گئی ہے رکت عمر سے بھی
بہشتیں کیا ہوں اس رنگ مہ تاباں دن
صبح عید اپنی ہے بدر شب ماتم سے بھی
آزکار محبت میں نہ نکلا کچھ کام
سینہ چاک و دل پشورہ مژہ نم سے بھی
آہ ہر غیر سے تاجہ کہوں جی کی بات
عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی
دوری کوچہ میں اسے غیرت فردوس تری
کام گزرا ہے مرا گریہ آدم سے بھی
ہمت اپنی ہی تھی یہ میر کہ جوں مرغ خیال
اک پر افغانی میں گزرے سرمالم سے بھی

□□□

تاب دل صرف جدائی ہو چکی
یعنی طاقت آزمائی ہو چکی
چھوٹا کب ہے اسیر خوش زباں
چیتے جی اپنی رہائی ہو چکی

آگے ہو مسجد کے ٹکے اس کی راہ
ش سے اب پارسائی ہو چکی

درمیاں ایسا نہیں اب آئینہ
میری اس کی اب صفائی ہو چکی
ایک بوسہ مانگتے لڑنے لگے
اتنے ہی میں آشنائی ہو چکی

چچ میں ہم ہی تہ ہوں تو لطف کیا
رحم ر اب بے وفائی ہو چکی
آج پھر تھا بے محبت میر و ان
کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی

□□□

اس وعدہ کی رات وہ آئی جو اس میں نہ لڑائی ہوئی
آخر اس ادبائش نے مارا رہتی نہیں ہے آئی ہوئی
رہ میں اس بے الفت کے گھبراہٹ دل ہی کو تو نہیں
سارے خواہوں میں ہے شکست جان بھی ہے گھبرائی ہوئی
گرچہ نظر ہے بہت پا پر لیکن قہر قیامت ہے
گڑجانی ہے دل میں ہمارے آنکھ اس کی شرمائی ہوئی
جنگل جنگل شوق کے مارے ناتہ سوار پھرا کیے
مجنوں جو صحرائی ہوا تو لیلیٰ بھی سودائی ہوئی

درد دل سوزان محبت محو ہو تو عرش پہ ہو
یعنی دور بچھے گی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی

چون کی آغاز سے ظالم ترک مروت پیدا ہے
اہل نظر سے چھپی نہیں ہے آنکھ کس کی چھپائی ہوئی
میر کا حال نہ پوچھو کچھ تم بہنہ رباط سے بیڑی میں
قص کناں بازار تک آئے عالم میں رسوائی ہوئی

□□□

موسم ہے ٹیکے شانوں سے چپتہ : ب ہرے
پودے چمن میں پھولوں سے دیکھتے جھرتے بھرے
آگے کسو کے کیا کریں دست طبع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سر ہانے دھرے دھرے
کیا مجھ کو اس کے رتبہ عالی سے اہل خاک
پھرتے ہیں جوں سپہر بہت ہم درے درے
مرتا تھا میں تو باز رکھا مرنے سے مجھ
یہ کہہ کے کوئی ایسا کرے ہے ارے ارے
گلشن میں آگ لگ رہی تھی رنگ گل سے میر
بلبل پکاری دیکھ کے صاحب پرے پرے

□□□

خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی عاقبت کی
نگاہ چشمِ ادھر تو نے کیا قیامت کی
انہوں میں جو کہ تیرے کو مجیدہ رستے ہیں
نہیں ہے قدر ہزاروں برس کی طاعت کی
انہائی تنگ سمجھ تم نے بات کے کہتے
وہاں مہر جو تھی رسم ایک مدت کی
رہیں امید رہائی سیر کا کل . زلف
مری تو باتیں ہیں زنجیر صرف الفت کی
رہے ہے کوئی خرابات چھوڑ مسجد میں
دوا منائی اگر شیخ نے کرامت کی
سوال میں نے جو انجام زندگی سے کیا
قد خدیہ نے سوئے زمیں اشارت کی
نہ میری قدم کی اُس سنگدل نے میر کھو
ہزار حیف کہ پتھر سے میں محبت کی

□□□

فلر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی
ہے سزا تجھ پہ یہ گستاخ نظر کرنے کی
کہہ حدیث آنے کی اُس کے جو کیا شادی مرگ
نامہ بر کیا چلی تھی ہم کو خبر کرنے کی

کیا جی جاتی ہے خوبی ہی میں اپنی اس شمع
کہہ پتھر کی بھی کچھ شام و سحر کرنے کی
اب کی برسات آئی تھی وہ تھا عالم کا ہاں
میں تو کھائی تھی قسم پتھر سے ترکہ کرنے کی
پھول کچھ لینے نہ نکلے تھے دل صد بارہ
طرز سیکھی ہے مرے نکلے جگر کرنے کی
ان دنوں نکلے ہے ہمیشہ بخوں راتوں کو
دھن بے مالہ کو سو دل میں اثر کرنے کی
عشق میں تیرے گزرتی نہیں بن سر چکے
صورت اک یہ رہی تے نہ ہر کرنے کی
کاروانی ہے جہاں عمر عزیز اپنی میر
رہ ہے درپیش سدا اس کو سفر کرنے کی

□□□

خزانی کچھ نہ پوچھو ملک دل کی غارت کی
ظہوں نے آج کل سینو وہ آبادی ہی غارت کی
نگاہ مست سے جب چشم نے اسکی اشارت کی
طاوت سے کی اور بنیاد سے خانہ کی غارت کی
سحر گر میں نے پوچھا گل سے حال زار بلبل کا
پڑے تھے باغ میں یک مشت پڑاہ و ہر اشارت کی

جلایا جس بجلی جلوہ کرنے طور کو ہم
اُسی آتش کے پرکالے نے ہم ہی بھی شرارت کی
نزدت کیا کہوں خورشید رو کی کل شب مد میں
گیا تھا سایہ سایہ باغ تک تس پر حرارت کی
ترے کوچے کے شوق طوف میں جیسے بگولا تھا
بیاباں میں غبار میر کی ہم نے زیارت کی

□□□

میں نے جو بیکمانہ مجلس میں جان کھوئی
سر پر مرے کھڑی ہو شب شمع زور روئی
آتی ہے شمع شب کو آگے ترے یہ کہہ کر
منہ کی گئی جو لوئی تو کیا کرے گا کوئی
بے طاقتی سے آگے کچھ پوچھتا بھی تھا سو
رونے نے ہر گھڑی کے وہ بات ہی ڈھوئی
لبیل کی بے کلی نے شب بے دماغ رکھا
سونے دیا نہ ہم کو غلام نہ آپ سوئی
اُس ظلم پیشہ کی یہ رسم قدیم ہے گی
غیروں پہ مہربانی، یاروں سے کینہ جوئی
نوبت جو ہم سے گاہے آتی ہے گفتگو کی
منہ میں زباں نہیں ہے اُس بدزباں کی گوئی

اس مد کے جلوہ سے کچھ تا میر یاد دیوے
اب کی گھروں میں ہم نے سب چاندنی بے ہوشی

□□□

الم سے یاں تئیں میں عشق ناتوانی کی
کہ میری جان نے تن پر مرے گرانی کی
بچن کا نام سنا تھا، لے نہ دیکھا بائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی
لٹائی خوب مرے خوں میں خاک بکھل گاہ
یہ تھوڑی خنثیں ہیں مجھ پہ خت جانی کی
بٹنگ ہوں میں ترے اختلاط سے جبری
قسم ہے اپنی مجھے اُس گئی جوانی کی
چلا ہے کھینچنے تصویر میرے بت کی آج
خدا کے واسطے صورت تو دیکھو مانی کی
جری گلی کے ہر اک مک نے توڑے انتھوں
ہماری لاش کی شب خوب پاسبانی کی
رکھے ہیں میر ترے منہ سے بیوقوف خاطر
جری جفا کے تعاقب کی بدگمانی کی

□□□

اے ملائی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی
 کہتے کیا میں صاحبِ بندگی بچاؤں گی
 یہی جہتیں آنکھوں کے آگے سے نہیں
 دیکھتے ہی دیکھتے نیا ہو گیا کیا ہوں
 روئے گل پر روز و شب سے رہتا ہے بار
 رختہ دیوار سے یا دیدہ نگار کی
 اٹک نہیں آنکھ میں بحرِ اکے بی جاتا ہوں میں
 قلمب رکھتا ہے مجھ پہ جہمت میٹھواری
 مٹ فریب مادی لہا ان سید چشموں کا میر
 ان کی آنکھوں سے نکلتی ہے بڑی عیاری

□□□

رکھتا ہے ہم سے وعدہ ملنے کا یار ہر شب
 ہو جاتے ہیں لیکن جنت کنار ہر شب
 مدت ہوئی کہ اب تو ہم سے جدا رکھے ہے
 اُس آفتابِ رؤ کو یہ روزگار ہر شب
 دیکھیں ہیں راہ کسی کی یا رب کہ اخترِ دل کی
 رہتی ہیں باز آنکھیں چندیں ہزار ہر شب
 دھوکے حرصے کو دل میں جان دے رہو نگا
 کرتا ہے ماہ میرے گھر سے گزار ہر شب

دل کی کدورت اپنے اک شب عیاں ہوئی تھی
 رہتا ہے آسمان پر تب سے غبار ہر شب
 کس کے لگا ہے تازہ حیر نگاہ اُس کا
 اک آہ میرے دل کی ہوتی ہے پار ہر شب
 مجلسِ من میں نے اپنا سوز جگر کہا تھا
 روتی ہے شمعِ تب سے ہے اختیار ہر شب
 ہاویں وصل اُس کے کیا سادہ مردماں ہیں
 غمزدے ہے میر ان کو امیدوار ہر شب

□□□

اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پر آبِ روز و شب
 پکا کرے ہے آنکھوں سے خوابِ روز و شب
 اک وقت رونے کا تھا ہمیں بھی خیال سا
 آتے تھے آنکھوں سے پلے سیلابِ روز و شب
 اُس کے لیے نہ پھرتے تھے ہم خاک چھاتے
 رہتا تھا پاس دور نایابِ روز و شب
 قدرت تو دیکھ عشق کی مجھ سے ضعیف کو
 رکھتا ہے شاد بے خور و بے خوابِ روز و شب
 سجدہ اس آستان کا نہیں یوں ہوا نصیب
 رگڑا ہے سر میانہ محرابِ روز و شب

اب رسم رابطہ انھ ہی گئی ورنہ پیش آئیں
 بیٹھے ہی رہتے تھے نیم احباب روز و شب
 دل کس کے رو و مو سے لگایا ہے میر نے
 پاتے ہیں اس جوان کو چناب روز و شب
 روپا کے ہیں غم سے ترے ہم تمام شب
 پڑتی رہی ہے زور سے شبنم تمام شب
 زکے سے دل کے آج بچا ہوں تو اب دیا
 چھاتی رہی میں رہا ہے مرا دم تمام شب
 یہ اتصال اشک جگر سوز کا کہاں
 روتی ہے یوں تو شمع بھی کم تمام شب
 گزرا کسے جہاں میں خوشی سے تمام روز
 کس کی کئی زمانے میں بے غم تمام شب
 شکوہ عبث ہے میر کہ کڑھتے ہیں سارے دن
 یا دل کا حال رہتا ہے درہم تمام شب

□□□

کس کی سید کیسے بتائے کہاں کے شمع و شتاب
 ایب گردش میں تری چشم سید کے سب خراب
 تو کہاں اُس کی کمر کیہر کر یو اضطراب
 اے رگ گل دیکھو کھاتی ہے جو تو بیچ و تاب

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے
 کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب
 تو ہو اور دنیا ہو ساقی میں ہوں مستی ہو عدام
 پر پٹ صبا نکالے اُڑ چلے رنگ شراب
 ہے ملاحیت تیرے باعث شور پر تجھ سے نمک
 نک تو وہ بھری چلی آتی ہے اے عہد شباب
 کب تھی یہ بے جراتی شایان آہوئے حرم
 ذبح ہوتا تیغ نے یا آگ میں ہوتا کباب
 کیا ہو رنگ رفتہ کیا قاصد ہو جس کو خط دیا
 بڑ جواب صاف اس سے کب کوئی لایا جواب
 دئے اس بچنے پر اے مستی کہ دور چرخ میں
 جام سے پر گردش آوے اور میکانہ خراب
 چوب حریفی بن الف بے میں نہیں پہچانتا
 ہوں میں ابجد خواں شناسائی کو مجھ سے کیا حساب
 مت ڈھلک مڑگاں سے اب تو اے سرخک آبدار
 مفت میں جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب
 کچھ نہیں بحر جوں کی موج برمت بھول میر
 دور ہے دریا نظر آتا ہے لیکن ہے مراب

□□□

روزانہ ملوں یار سے یا شب ہو ملاقات
کیا فکر کروں میں کہ سو ڈھب ہو ملاقات
نے بخت کی باری ہے نہ کچھ جذب ہے کامل
وہ آپنی طے تو طے پھر جب ہو ملاقات
دوری میں کروں نالہ و فریاد کہاں تک
اک بار تو اس شوخ سے یارب ہو ملاقات
جانی ہے عشق بھی کبھو آتے ہیں بخود بھی
کچھ لطف اٹھے بارے اگر اب ہو ملاقات
دشمت ہے بہت میر کو مل آئیے چل کر
کیا جانے پھر یاں سے گئے کب ہو ملاقات

□□□

سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جانان سمیت
تیر تو نکلا مرے سینے سے لیکن جاں سمیت
نگ ہو جاوے گا عرصہ فسخان خاک پر
گر ہمیں زیر زمیں سونپا دل نالاں سمیت
باغ کر دکھائیں گے دامان دشت حشر کو
ہم بھی واں آئے اگر مژگان خون افشاں سمیت
قیس و فریاد اور دامن غایت جی سے گئے
سب کو مارا عشق نے مجھ خانماں ویراں سمیت

اٹھ گیا پردہ نصیحت گر کے لگ پڑنے سے میر
پہاڑ ڈالا میں گریباں رات کو داماں سمیت

□□□

کیا کہیں اپنی اس کی شب کی بات
جیسے ہووے جو کچھ بھی ڈھب کی بات
اب تو چپ لگ گئی ہے حیرت سے
پھر کھلے گی زبان جب کی بات
کتنے دامان رفتہ کی نہ کہو
بات وہ ہے جو ہووے اب کی بات
کس کا روئے خن نہیں ہے ادھر
ہے نظر میں ہماری سب کی بات
ظلم ہے قہر ہے قیامت ہے
غصے میں اس کے زیر لب کی بات
کہتے ہیں آگے تھا بتوں میں رم
ہے خدا جانے سب کی بات
گو کہ آتش زباں تھے آگے میر
اب کی کہنے گئی وہ تب کی بات

□□□

ہر صدمہ کروں ہوں' الحاج یا انابت
تو بھی مری ذمہ سے ملتی نہیں اجابت

موت لے حساب طاقت اے ضعف مجھ سے خاتم
اللق نہیں ہے تیرے یہ کون سی ہے بابت
کیا کیا لکھا ہے میں نے وہ میر کیا کہے گا
گم ہووے نامہ بر سے یا رب مری کتابت

□□□

پلکوں پہ تھے پارہ جگر رات
ہم آنکھوں میں لے گئے ہر رات

اک دن تو وفا بھی کرتے وعدہ
گزری ہے امیدوار ہر رات
کھڑے سے اٹھائیں ان نے نہیں
جانا بھی نہ ہم گئی کدھر رات

تو پاس نہیں ہوا تو روتے
رہ رہ گئی پہر پہر رات
کیا دن تھے کہ خون تھا جگر میں
رو اٹھتے تھے بیٹھ دو پہر رات

واں تم تو بناتے ہی رہے زلف
عاشق کی بھی یاں گزر گئی رات

راتی کے جو آنے کی خبر تھی
گزری ہمیں ساری بے خبر رات
کیا سوز جگر کہوں میں ہدم
آیا جو سخن زبان پر رات
صحت یہ رہی کہ شمع روٹی
لے شام سے تا دم حجر رات

کھلتی ہے جب آنکھ شب کو تھہ دن
کتنی نہیں آتی پھر نظر رات
دن وصل کا یوں سنا کہے تو
کافی ہے جدائی کی مگر رات

کل تھی شب وصل اک ادا پر
اس کی گئے ہوتے ہم تو مر رات
جاگے تھے ہمارے بخت خفتہ
پہنچا تھا ہم وہ اپنے گھر رات

تھی صبح جو منہ کو کھول دینا
ہر چند کہ تب تھی اک پہر رات
پر زلفوں میں منہ چھپا کے پوچھا
اب ہوو گی میر کس قدر رات

□□□

جیتا ہی نہیں ہو جسے آزار محبت
 مایوس ہوں میں بھی کہ ہوں بیمار محبت
 امکان نہیں جیتے جی ہو قید سے آزاد
 مر جائے بھی چھوٹے گرفتار محبت
 تفسیر نہ خواہاں کی نہ جلا کا کچھ جرم
 تھا دشمن جانی مرا اقرار محبت
 ہر شخص کے خواہاں لے بازار جہاں میں
 لیکن نہ ملا کوئی خریدار محبت
 اس راز کو رکھ جی میں تا جی بچے تیرا
 زہار جو کرتا ہو تو اظہار محبت
 ہر نقش قدم پر ترے سر پہچے ہیں عاشق
 تک سیر تو کر آج تو بازار محبت
 کچھ مست ہیں ہم دیدہ پر خون جگر سے
 آیا ہے سبکی ساغر سرشار محبت
 بیکار نہ رہ عشق میں تو رونے سے ہرز
 یہ گریہ ہی ہے آپ رخ کاو محبت
 مجھ سا ہی ہو جنوں بھی یہ کب مانے ہے عامل
 ہر سر نہیں اے میر سزاوار محبت

□□□

ہوتی ہے گرد کئے سے یار پائی بات
 پر ہم سے تو بھی نہ بھومند پر آئی بات
 جانے نہ تجھ کو جو یہ قصع تو اس سے کر
 بس پر بھی تو چھپی نہیں رہتی بنائی بات
 اب تو ہوئے ہیں ہم ترے ڈھب سے آشنا
 واں تو نے کچھ کہا کہ ادھر ہم نے پائی بات
 بلب کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے
 پوشیدہ کب رہی ہے کسی کی اڑائی بات
 اب مجھ ضعیف و زار کو مت کچھ کہا کر دو
 جاتی نہیں ہے مجھ سے کسوی اٹھائی بات
 خط لکھتے لکھتے میرے دفتر کئے رواں
 افراط اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

□□□

نہ پایا دل ہوا روز سید سے جس کا جاں لہنت
 کسوی زلف ڈھونڈی موبو کا کل کو سب لٹ
 تو کن نیندوں پڑا سوتا تھا دروازہ کو موندے شب
 میں چو کھٹ پر تری کرتا رہا سر کو چپک کھٹ
 چٹیں لگتی ہیں دل پر بلبلوں کے باغیاں تو جو
 چمن میں توڑتا ہے ہر حرکتوں کے تیں چٹ چٹ

ترسے جہراں کی تیاری میں میر ناتواں کو شب
ہوا ہے خواب سوتا آہ اس کروٹ سے اس کروٹ

□□□

آئے ہیں میر منہ کو بنائے جہا سے آج
شاید گزر گئی ہے کچھ اُس بیوفا سے آج
واشد ہوئی نہ دل کو فقیروں کے بھی لے
کھلتی نہیں گرہ یہ کسو کی دعا سے آج
جینے میں اختیار نہیں ورنہ ہم نشیں
ہم چاہتے ہیں موت تو اپنی خدا سے آج
ساقی تک ایک موسم گل کی طرف بھی دیکھ
پکا پڑے ہے رنگ چمن میں ہوا سے آج
تھاجی میں اس سے ملے تو کیا نہ کہئے میر
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل حیا سے آج

□□□

کاش انھیں ہم بھی گزہ گاروں کے
ہوں جو رحمت کے سزاواروں کے

جی سدا ان ابروؤں ہی میں رہا
کی بسر ہم عمر لکواروں کے

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتا ہے دیواروں کے
ہیں عناصر کی یہ صورت بازیاں
شعبدے سے کیا کیا ہیں ان چاروں کے
جب سے لے نکلا ہے تو یہ جنس حسن
پڑ گئی ہے دھوم بازاروں کے
ناشتی و بے کسی و رنگی
جی رہا کب ایسے آزاروں کے
جو سرشک اس ماہ دن چمکے ہے شب
وہ چمک کا ہے کو ہے تاروں کے
اس کے آتشناک رخساروں بغیر
لوٹے یوں کب تک انگاروں کے
پہنٹا غیروں میں کب ہے تنگ یار
پھول گل ہوتے ہی ہیں خاروں کے
یارو مت اُس کا فریب مہر کھاؤ
میر بھی تھے اُس کے ہی یاروں کے

□□□

فائدہ مصر میں یوسف رہے زندان کے
بھیدے کیوں و زلیخا اُسے کنعان کے

تو نہ تھا مردن دشوار میں عاشق کی آہ
 حسرتیں تکی گرہ تھیں رنق اک جان کے سچ
 جنم بد دور کہ کچھ رنگ ہے اب گریہ پر
 خون جھکے ہے پڑا دیدہ گریبان کے سچ
 حال گلزار زمانہ کا ہے جیسے کہ شفق
 رنگ کچھ اور ہی جائے ہے اک آن کے سچ
 تاک کی چھاؤں میں جو مست پڑی سوتی ہیں
 ایندنی ہیں نکہیں سایہ مرغان کے سچ
 جی لیا بوسہ رخسار مخطوط دے کر
 عاقبت ان نے ہمیں زہر دیا پان کے سچ
 دگنی خوش دہی اس سے اسی منہ پر گل
 سر تو نک ڈال کے دیکھ اپنے گریبان کے سچ
 کان دکھ رکھ کے بہت درد دل میر کو تم
 سنئے تو ہو پہ کہیں درد نہ ہو کان کے سچ

□□□

کر نہ تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے سچ
 دن نہ پھر جائیں گے عشاق کے اک رات کے سچ
 حرف زن مت ہو کسی سے تو کہ اے آفت شہر
 جاتے رہتے ہیں ہزاروں کے سراک بات کے سچ

میری طاعت کو قبول آہ کہاں تک ہوگا
 سہو اک ہاتھ میں ہے جام ہے اک بات کے سچ
 سرکھیں چشم پہ اس شوخ کے زہار نہ پا
 ہے سیاحی مژہ میں وہ نگہ گھات کے سچ
 بیٹھیں ہم اس کے سک کو کے برابر کیونکر
 کرتے ہیں ایسی معیشت تو مساوات کے سچ
 تاپ و طاقت کو تو رخصت ہوئے مدت گزری
 پند گو یوں ہی نکر اب خلل اوقات کے سچ
 زندگی کس کے بھر دے پہ محبت میں کروں
 ایک دل غمزدہ ہے سو بھی ہے آفات کے سچ
 بے مئے و منہ پہ اک دم نہ رہا تھا کہ رہا
 اب تلک میر کا نکلیے ہے خرابات کے سچ

□□□

ساتھ ہو اک بیکسی کا عالم ہستی کے سچ
 باز خواہ خوں ہے میرا گو اسی ہستی کے سچ
 عرش پر ہے ہم مند پوشان الفت کا دماغ
 اوج دولت کا سا ہے یاں فقر کی ہستی کے سچ
 ہم سید کاروں کا بننا وہ ہے میناے کی اور
 آگئے ہیں میر مسجد میں چلے مستی کے سچ

□□□

ہونے لگا گداڑ غم یار بے طرح
 رہنے لگا ہے دل کو اب آزار بے طرح
 اب کچھ طرح نہیں ہے کہ ہم غمزدے ہوں شاد
 کہنے لگا ہے منہ سے ستم گار بے طرح
 جان بر تہارے ہاتھ سے ہو گا نہ اب کوئی
 دکھنے لگے ہو ہاتھ میں تلوار بے طرح
 قند اچھے گا ورنہ نکل گھر سے تو شباب
 بیٹھے ہیں آ کے طالب دیدار بے طرح
 لہو میں شور بور ہے دامن و بیب میر
 بھرا ہے آج دیدہ خونبار بے طرح

□□□

خاطر کرے ہے جمع وہ ہر بار ایک طرح
 کرتا ہے چرخ مجھ سے نئے یار ایک طرح
 میں اور تیس دو کوئیں اب جو زباں پہ ہیں
 مارے گئے ہیں سب یہ گنہگار ایک طرح
 منظور اُس کو پروے میں ہیں بے جا بیاں
 کس سے ہوا دوچار وہ عیار ایک طرح

سب طرحیں اس کی اپنی نظر میں تھیں کیا کہیں
 پے ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار ایک طرح
 گھر اُس کے جا کے آتے ہیں پامال ہو کے ہم
 کر بیے مکاں ہی اب سر بازار ایک طرح
 مگر گل ہے گاہ رنگ گئے باغ کی ہے بو
 آتا نہیں نظر وہ طرح دار ایک طرح
 نیرنگ حسن دوست سے کر آکھیں آشنا
 ممکن نہیں ورنہ ہو دیدار ایک طرح
 ہر طرح تو ذلیل ہی دکھتا ہے میر کو
 ہوتا ہے عاشقی میں کوئی خوار ایک طرح

□□□

کیا ہم بیاں کسو سے کریں اپنی باگی طرح
 کی عشق نے خرابی ہے اس خانداں کی طرح
 جوں سبزہ چل چمن میں لب جو پہ سیر کر
 عمر عزیز جاتی ہے آب رواں کی طرح
 جو مستحب بے عمد ہو نہیں اُس کا اعتماد
 کس خانماں خراب نے کی آسماں کی طرح
 اثبات بے ثباتی ہوا ہوتا آگے تو
 کیوں اس چمن میں ڈالتے ہم آسماں کی طرح

□□□

آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
 ابھریں گے عشقِ دل سے ترے راز میرے بعد
 جینا مرا تو تجھ کو غنیمت ہے تاکہ
 کھینچے گا کون پھر یہ ترے ناز میرے بعد
 شمعِ مزار اور یہ سوزِ جگر مرا
 ہر شب کریں گے زندگیِ ناساز میرے بعد
 حسرت ہے اس کے دیکھنے کی دل میں بے قیاس
 اغلب کہ میری آنکھیں رہیں باز میرے بعد
 کرنا ہوں میں جو نالے سرانجامِ باغ میں
 منہ دیکھو پھر کریں گے ہم آواز میرے بعد
 بن گلِ مواہی میں تو پہ تو جا کے لویو
 چھن چن میں اسے پر پرواز میرے بعد
 بیٹھا ہوں میر مرنے کو اپنے میں مستعد
 پیدا نہ ہوں گے مجھ سے بھی جانناز میرے بعد

□□□

ہم گرفتارِ حال ہیں اپنے
 طائر پر بریدہ کے مانند

دل تڑپتا ہے ایک خوش میں
 صیدِ درخوںِ لطیفہ کے مانند
 تجھ سے یوسف کو کیونکہ نسبت دیں
 تب ہشتیندہ ہو دیدہ کے مانند
 میر صاحب بھی اس کے ہاں تھے یک
 بندۂ زرخیدہ کے مانند

□□□

میرے سنگِ مزار پر فرہاد
 رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد
 ہم سے بن مرگ کیا جدا ہو ملال
 جان کے ساتھ ہے دلِ ناشاد
 موند آنکھیں سفرِ عدم کا کر
 بس ہے دیکھا نہ عالمِ ایجاد
 فکرِ تعمیر میں نہ رہ منم
 زندگانی کی کچھ بھی ہے بنیاد
 خاک بھی سر پہ ڈالنے کو نہیں
 کس خرابے میں ہم ہوئے آباد

سننے ہو تک سنو کہ پھر مجھ بعد
 نہ سنو گے یہ نالہ و فریاد

□□□

آواز ہماری سے نہ رک ہم ہیں دعا یاد
 آئے گی بہت ہم بھی فقیروں کی صدا یاد
 ہر آن وہ انداز ہو جس میں کہ کہے جی
 اُس مختصر جور کو کیا کیا ہے ادا یاد
 کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری
 اپنی بھی وفا یاد ہے اُس کی بھی جفا یاد
 جی بھول گیا دیکھ کے چہرہ وہ کتابی
 ہم عصر کے علامہ تھے پر کچھ نہ رہا یاد
 سب غلطی رہی بازی طفلانہ کی یکسو
 وہ یاد فراموش تھے ہم کو نہ کیا یاد
 کہے تو گئے بھول کے ہم دیر کا رستہ
 آتا تھا ولے راہ میں ہر گام خدا یاد
 اک لطف کے شرمندہ نہیں میر ہم اس سے
 گویاں سے گئے اُن نے بہت ہم کو کیا یاد

□□□

غیروں سے وسے اشارہ ہم سے چھپا چھپا کر
 پھر دیکھنا ادھر کو آنکھیں ملا ملا کر

لگتی ہے کچھ موسم ی تو شیم
 خاک کس دل جلے کی کی بر باد

بھولا جائے غم بتاں میں جی
 غرض آتا ہے پھر خدا کی یاد
 تیرے قید قفس کا کیا شکوہ
 نالے اپنے سے اپنی ہے فریاد
 ہر طرف ہیں اسیر ہم آواز
 باغ ہے گھر بڑا تو اسے صیاد
 ہم کو مرنا یہ ہے کہ کب ہوں کہیں
 اپنی قید حیات سے آزاد

ایسا ہے شوخ وہ کہ ہنسی صبح
 جانا سو جائے اس کی ہے معاد
 نہیں صورت پذیر نقش اس کا
 یوں ہی تصدیق کہینے ہے بہر اد
 خوب ہے خاک سے بزرگوں کی
 چاہتا تو مرے تئیں ادا
 پر مرثیہ کہاں کی ہے اے میر
 تو ہی مجھ دل جلے کو کر ارشاد

نامرادی ہو جس پہ پروانہ
 وہ جلاتا پھرے چراغ مراد

ہر گام سد رہ تھی بتانے کی محبت
 کیجے تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر
 تحیر کہ میں تجھ سے جو نیم کشتہ چھوٹا
 حسرت نے اُس کو مارا آخر لٹا لٹا کر
 اک لطف کی گدہ بھی ہم نے نہ پائی اُس سے
 دکھا ہمیں تو ان نے آنکھیں دکھا دکھا کر
 تاصح مرے جنوں سے آگہ نہ تھا کہ ناحق
 گودڑ کیا گریاں سارا سلا سلا کر
 اک رنگ پاں ہی اس کا دل خون کن جہاں ہے
 پھبتا ہے اس کو کرتا باتیں چپا چپا کر
 جوں شمع جھپکا ہی اک بار بجھ گئے ہم
 اس شعلہ فو نے ہم کو مارا جلا جلا کر
 اس حرف ناشنو سے صحبت بگڑ ہی جائے
 ہر چند لاتے ہیں ہم باتیں بنا بنا کر
 میں منع میر تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ
 کھوئی نہ جان تو نے دل کو لگا لگا کر

□□□

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خوشہ اے جس بہتر
 نہیں اس قافلے میں اہل دل ضبط نفس بہتر

نہوٹا ہی بھلا تھا سامنے اس چشم گریاں کے
 نظر اے ہر تر آبی نہ آوے گا برس بہتر
 مدد ہو خار خار باغیاں گل کا جہاں مانع
 کچھ اے عندیہ اب باغ سے کچھ نفس بہتر
 برا ہے امتحاں لیکن نہ سمجھے تو تو کیا کریے
 شہادت گاہ میں لے چل سب اپنے پواہوس بہتر
 یہ زردوں کا گلشن دودول سے باغیاں میں بھی
 جلا آتش میں میرے آشیان کے خار و خس بہتر
 کیا داغوں سے دھک باغ اے صد آفریں الفت
 یہ سینہ ہم کو بھی ایسا ہی تھا درکار بس بہتر
 قدم تیرے چھوئے تھے جن نے اب وہ ہاتھ ہے سر ہے
 مرے حق میں نہوٹا ہی تھا یاں تک دسترس بہتر
 عیب پوچھتے ہے مجھ سے میر میں صبر کو جاتا ہوں
 خرابی ہے یہ دل دکھا ہے جو تو نے تو بس بہتر

□□□

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آدے مجھے قرار
 اے انتظار تجھ کو کسی کا ہو انتظار
 ساقی تو ایک بار تو توبہ مری ترا
 توبہ کروں جو پھر تو ہے توبہ ہزار بار

کیا زمزمہ کروں ہوں خوشی تجھ سے ہم صغیر
آیا جو میں چہن میں تو جاتی رہی بہار
کس ڈھب سے راہ عشق چلوں ہے یہ ڈر مجھے
پھونٹیں کہیں نہ آجئے نوٹیں کہیں نہ خار
کوسچے کی اُس کے راہ نہ بتلائی بعد مرگ
دل میں مہا رکھے تھی مری خاک سے غبار
اسے پائے خم کی گردش ساغر ہو دھیر
مرہون درو سر ہو کہاں تک برا خمار
وسعت جہاں کی چھوڑ جو آرام چاہے میر
آسودگی رکھے ہے بہت گوشہء مزار

□□□

یہ عشق بے اجل کش ہے بس اے دل اب توکل کر
اگرچہ جان جاتی ہے چلی لیکن تغافل کر
سفر ہستی کا مت کر سرسری جوں باد اے رہرو
مجھ پر یہ سب خاک آدمی تھے ہر قدم پر تک تال کر
سن اے بیدرد چمن غارت گلشن مبارک ہو
یہ تک گوشت مروت جانب فریاد بلبل کر
نہ وعدہ تیرے آنے کا نہ کچھ امید طالع سے
دل بیتاب کو کس منہ سے کہئے تک تھل کر

یہ کیا جانوں کہ کیوں رونے لگا رونے سے رہ کر میں
مگر یہ جانتا ہوں مینہ کھر آتا ہے پھر کھل کر
مرے پاس اس کی خاک پائے پیاری میں رکھا تھا
نہ آیا سر مرا بائیں یہ ادھر جو گیا ڈھل کر
جلی جلوہ ہیں کچھ بام و درم خانہ کے میرے
وہ رنکب ماہ آیا ہمیشہ بس اب دیا کل کر
جری خاموشی سے قمری ہوا شور جنوں رسوا
پلا تک طوق گردن کو بھی ظالم باغ میں غل کر
گداز عشقی کا میر کے شب ذکر آیا تھا
جو دیکھا شمع مجلس کو تو پانی ہو گئی کھل کر

□□□

آشوب دیکھ چشم حری سر رہے ہیں جوز
پلکوں کی صف سے بھیڑیں گئیں منہ کو موز موز
لاکھوں جتن کئے نبوا ضبط گریہ لیک
ستے ہی نام آنکھ سے آنسو گرے کروڑ
زخم دروں سے میرے نہ تک بے خبر ہو
اب ضبط گریہ سے ہے ادھر ہی کو سب نچوڑ
گری سے برشکال کی پروا ہمیں ہے کیا
برسوں رہی ہے جان کے رکنے کی یاں مروڑ

بہل کی اور چشمِ مرآت سے دیکھ نک
بے درد یوں چمن میں کسو پھول کو نہ توڑ
کچھ کو بکن ہی سے نہیں تازہ ہوا یہ کام
بہترے عاشقی میں موئے سر کو پھوڑ پھوڑ
بے طاقی سے میر لگے چھوٹنے پران
ظالم خیال دیکھنے کا اُس کے اب تو پھوڑ

□□□

ہوتا نہیں ہے بابِ اجابت کا وا ہنوز
بہل پڑی ہے چرخ پہ میری دعا ہنوز
دن رات کو کھنچا ہے قیامت کا اور میں
پھرتا ہوں منہ پہ خاک طے جا بجا ہنوز
خط کاڑھ لا کے تم تو منڈا بھی چلے ولے
ہوتی نہیں ہماری تمہاری صفا ہنوز
غنیے چمن چمن کھلے اس باغِ دہر میں
دل ہی مرا ہے جو نہیں ہوتا ہے وا ہنوز
احوال نامہ بر سے مرا سن کے کہہ اٹھا
جیتا ہے وہ ستروہ مہجور کیا ہنوز
غنیے نہ بوجھ دل ہے کسی جھ سے زار کا
کھلتا نہیں جو سخی سے تیری صبا ہنوز

توڑا تھا کس کا شیشہ دل تو نے سنگدل
ہے دل خراش کو چپے میں تیرے صدا ہنوز
چلو میں اس کے میرا لبو تھا سو پی چکا
اڑتا نہیں ہے طائرِ رنگِ حنا ہنوز
پے بال و پر اسیر ہوں کجِ قفس میں میر
جانی نہیں ہے سر سے چمن کی ہوا ہنوز

□□□

ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز
ہے گرمیاں پارہ پارہ ہنوز
آتشِ دل نہیں بھیجی شاید
قطرۂ اشک ہے شرارہ ہنوز
اشک جھکا ہے جب نہ نکلا تھا
چرخ پر صبح کا ستارہ ہنوز
لب پہ آئی ہے جان کب کی ہے
اُس کے موقوف ایک اشارہ ہنوز
عمر گزری دوائیں کرتے میر
درد دل کا ہوا نہ چارہ ہنوز

□□□

اے اہل تر تو اور کسی سست کو جس
اس ملک میں ہماری ہے یہ چشمِ تر ہی بس
حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی گل جا
اک برگ گل گرا نہ جہاں تھا ہوا نفس
مڑگاں بھی نہ گئیں مرے رونے سے چشم کی
سیلاب موج مارے تو پھرے ہے کوئی خس
بچنوں کا دل ہوں تحمل لیلیٰ سے ہوں جدا
تنہا پھروں ہوں دشت میں جوں نالہء جس
اے گریہ اس کے دل میں اثر خوب ہی کیا
روتا ہوں جب میں سامنے اس کے تو دے ہے بس

اس کی زباں کے عہدے سے کیونکر نکل سکوں
کہتا ہوں ایک میں تو سنا تا ہے جھکو دس
حیراں ہوں میر نزع میں اب کیا کروں بھلا
احوالِ دل بہت ہے مجھے فرصت یک نفس

□□□

کیونکہ نکلا جائے بحرِ غم سے مجھ بے دل کے پاس
آ کے ڈوبی جاتی ہے کشتی مری ساحل کے پاس
ہے پریشاں دشت میں کس کا غبارِ ناتواں
گردِ کچھ گستاخ آتی ہے چلی حمل کے پاس

گرم ہوگا حشر کو ہنگامہ دہوی بہت
کاش کہ مجھ کو نہ لے جا دیں مرے قاتل کے پاس
دور اس سے جوں ہوا دل پہ بلا ہے مضطرب
اس طرح تڑپا نہیں جاتا کسوں گل کے پاس
پوئے خوں آتی ہے باوجودِ گھٹائی سے مجھے
نگلی ہے بیدرد شاید ہو کسو گھٹال کے پاس
آہ نالے میت کیا کر اس قدر بیتاب ہو
اے ستم کش میر ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس

□□□

ہر جزو دم سے دست و پل اٹھتے ہیں فروں
کس کا ہے رازِ بحر میں یارب کہ یہ ہیں جوں
اہوئے کج ہے موج کوئی چشم ہے حباب
موتی کسی کی بات ہے پتلی کسی کا گوش
ان منچوں کے کوپے ہی سے میں کیا سلام
کیا مجھ کو طوفِ کعبہ سے میں رہد دردِ نوش
حیرت سے ہو دے برتو مہ نور آئینہ
تو چاندنی میں نکلے اگر ہو سفید پوش
گل ہم نے سیرِ باغ میں دل ہاتھ سے دیا
اک سادہ گلِ فروں کا آ کر سید بدوش

جاتا رہا نگاہ سے جوں موسم بہار
آج اُس بغیر دماغِ جگر چیں سیاہ پوش
شب اس دلی گرفتہ کو دا کر ہر دور سے
بیٹھے تھے شیرہ خانہ میں ہم کتنے ہرزہ کوش
آئی صدا کہ یاد کرو دورِ رفتہ کو
عہرت بھی ہے ضرور تک اے جمع تیز ہوش
جشنید جس نے وضع کیا جام کیا ہوا۔
وے سمجھتیں کہاں گئیں کیدھر دے ناؤ نوش

نحو لالہ اُس کے جام سے پاتے نہیں نشان
ہے کونکار اُس کی جگہ اب سیو بدوش
چھوٹے ہے بید جائے جوانان سے گسار
بالائے شمع ہے خشت سر پیر سے فردش
میر اس غزل کو خوب کہا تھا ضمیر نے
پر اے زباں درواز بہت ہو چکی خوش

□□□

ہم اور تیری گلی سے سفرِ دروغِ دروغ
کہاں دماغ ہمیں اس قدرِ دروغِ دروغ
تم اور ہم سے محبت تمہیں خلاف خلاف
ہم اور الفت خوب دگرِ دروغِ دروغ

غلط غلط کہ رہیں تم سے ہم تک غافل
تم اور پوچھو ہماری خیرِ دروغِ دروغ
فردوغ کچھ نہیں دعوئی کو صبح صادق سے
شبِ فراق کو کب ہے بحرِ دروغِ دروغ
کسو کے کہنے سے مت بدگماں ہو میر سے تو
وہ اور اُس کو کسو پر نظرِ دروغِ دروغ

□□□

ہے آگ کا سا نالہ کاہش فزا کا رنگ
کچھ اور صدم سے ہوا ہے ہوا کا رنگ
بے گمہ شکستہ رنگی خورشید کیا عجب
ہوتا ہے زورِ بیشتر اہل فنا کا رنگ
خوبی ہے اس کی تیزی تحریر سے برد
یا اس کا طور حسن لکھوں کیا ادا کا رنگ

پوچھیں ہیں وجہ گریہ خونیں جو مجھ سے لوگ
کیا دیکھتے نہیں ہیں سب اس بے وفا کا رنگ
مقدور تک نہ گزرے مرے خوں سے یار میر
غیروں سے کیا گلہ ہے یہ ہے آشنا کا رنگ

□□□

وہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
 بہت اُس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ
 مظاہر سب اُس کے مظاہر ہے وہ
 تکلف ہے یاں جو چھپاتے ہیں لوگ
 عجب کی جگہ ہے کہ اُس کی جگہ
 ہمارے تئیں ہی بتاتے ہیں لوگ
 رہے ہم تو کھوئے گئے سے سدا
 کبھو آپ میں ہم کو پاتے ہیں لوگ
 اس ابد کماں پر جو قرباں ہیں ہم
 ہمیں کو نشانہ بناتے ہیں لوگ
 نہ سویا کوئی شور شب سے مرے
 قیامت اذیت اٹھاتے ہیں لوگ
 اُن آنکھوں کے بیمار ہیں میر ہم
 بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ

□□□

عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم
 آ جاویں جو یہ ہر جا کی تو بھی نہ جاویں جا سے ہم
 گر یہ خمیں لک بھی رہے تو خاک سی منہ پر اڑتی ہے
 شام و سحر رچے ہیں یعنی اپنے لبہ کے پیاسے ہم

اکئی نہ پوچھو دوری میں اُن نے پر سش حال ہماری نہ کی
 ہم کو دیکھو مارے گئے ہیں آ کر پاس وفا سے ہم
 چکی کیا انواع اذیت عشق میں کھینچی جاتی ہے
 دل تو بھرا ہے اپنا تو بھی کچھ نہیں کہتے جس سے ہم
 کیا کیا بجز کریں ہیں لیکن چیش نہیں کچھ جاتا میر
 سرگزشتے ہیں آنکھیں ملے ہیں اُس کے دنائی پاسے ہم

□□□

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں
 ایک مدت سے وہ حراج نہیں
 درد اگر یہ ہے تو مجھے بس ہے
 اب دوا کی بھی احتیاج نہیں
 ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
 مرض عشق کا علاج نہیں
 شہر خوبی کو خوب دیکھا میر کا
 جس دل کا کہیں رواج نہیں

□□□

عشق کرنے کو جگر چاہیے آساں نہیں
 سب کو دغوی ہے ولے ایک میں یہ جاں نہیں

خارت دین میں نگہ شخصی ایماں میں ادا
تجھ کو کافر نہ کہے جو وہ سلسلا نہیں
سرری مئے جنوں سے جو نہ ہو تاب جفا
مشق کا ذائقہ کچھ داخل ایماں نہیں
ایک بیدرد تجھے پاس نہیں عاشق کا
درد عالم میں کسو خاطر مہماں نہیں
کیونکہ غم سرزد ہر لحظہ نہ آوے دل میں
گھر ہے درویش کا یاں در نہیں درباں نہیں
ہم نشیں آہ تکلیف قیاباں کر
عشق میں صبر و تحمل ہو یہ امکاں نہیں
کس طرح منزلی مقصود پہنچیں گے ہیر
سفر دور ہے اور ہم کئے ساماں نہیں

□□□

یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
اب دو تو جام خالی ہی دو میں نشے میں ہوں
ایک ایک فرط دور میں یوں ہی مجھے بھی دو
جام شراب پر نہ کرو میں نشے میں ہوں
مستی سے یہی ہے ہر کی گفتگو کے سچ
جو یا ہو تو بھی تجھ کو کہو میں نشے میں ہوں

یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانند جام سے
یا تھوڑی دور ساتھ چلو میں نشے میں ہوں
معدود ہوں جو پاؤں مرا بے طرح پڑے
تم سرگراں تو مجھ سے نہ ہو میں نشے میں ہوں
بھاگی نماز جمعہ تو جاتی نہیں ہے کچھ
چلا ہوں میں بھی ننگ توڑ کو میں نشے میں ہوں
نازک مزاج آپ قیامت ہیں میر جی
ہو شیشہ میرے منہ نہ لگو میں نشے میں ہوں

□□□

لب ترے لعل تاب ہیں دونوں
ردنا آنکھوں کا روئے کینک
چھوٹنے ہی کے باب ہیں دونوں
کیا چھپیں آفتاب ہیں دونوں
ہے تکلف نقاب وے رخسار
تن کے معمورہ میں یہی دل و چشم
کچھ نہ پوچھو کہ آنکش غم سے
سوچو اُس کی آنکھیں پڑتی ہیں
پاؤں میں وہ نشہ طلب کا نہیں
ایک سب آگ ایک سب پانی
بجٹ کا ہے کوکل و مرجاں سے
آگے دریا تھے دیدہ تر میر
اب جو دیکھو شراب ہیں دونوں

□□□

ہے غزل میر یہ شفا کی
ہم نے بھی طبع آزمائی کی
اُس کے اقلائے عہد تک نہ چے
عمر نے ہم سے بے وفا کی
وصل کے دن کی آرزو ہی رہی
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی
اسی تقریب اُس گلی میں رہے
بیتیں ہیں شکست پائی کی
دل میں اُس شوخ کے نہ کی تاثیر
آہ تے آہ نارسائی کی
کاسہ چشم لے کے جوں نرس
ہم نے دیدار کی گدائی کی
زور و زر کچھ نہ تھا تو یارے میر
کس بھروسہ پہ آشنائی کی

□□□

کچھ کرد فکر مجھ دوآنے کی
دھرم ہے پھر بہار آنے کی

دل کا اُس کج لب سے دے ہیں نشان
بات کلی تو ہے نکالنے کی

وہ جو پھرتا ہے مجھ سے دور ہی دور
ہے یہ تقریب جی کے جانے کی
تیج یوں ہی نہ تھی شب آتش شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی
کو کم ظرف نے نکالی آہ
تجھ سے بیتانے کے جلانے کی
ورنہ اے شیخ شہر واجب تھی
جام داری شراب خانے کی
جو ہے سو پائمال غم ہے میر
چال ہے ڈول ہے زمانے کی

□□□

چلتے ہو تو چن کو چلے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم باد بہاراں ہے
رنگ ہو سے یوں نیکے ہے جیسے شراب چواتے ہیں
آگے ہو بیتانے کے نکلا عہد بادہ گساراں ہے
عشق کے میدان داروں میں بھی مرنے کا ہے دھب بہت
یعنی مصیبت ایسی اٹھانا کار کار گزاراں ہے

دل ہے داغ جگر ہے کڑے آنسو سارے خون ہوئے
لوہو پانی ایک کرے یہ عشق لالہ زاراں ہے
کوئین و مجنوں کی خاطر دشت و کوہ میں ہم نہ گئے
عشق میں ہم کو میر نہایت پاس عزت داراں ہے

□□□

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
تور کس دل جلے کی ہے یہ فلک
شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے
خاندہ دل سے زہنہار نہ جا
کوئی ایسے مکاں سے اٹھتا ہے
نالہ سر کھینچتا ہے دب میرا
شور اک آسمان سے اٹھتا ہے
لڑتی ہے اس کی چشم شوخ جہاں
ایک آشوب واں سے اٹھتا ہے
سدھ لے گھر کی بھی شعلہ آواز
دود کچھ آسماں سے اٹھتا ہے
پہننے کون دے ہے پھر اس کو
جو ترے آسماں سے اٹھتا ہے

یوں اٹھے آہ اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے
عشق اک میر بیماری پتھر ہے
کب یہ تجھ تانواں سے اٹھتا ہے

□□□

برنگ ہوئے گل اس باغ نے ہم آشنا ہوئے
کہ ہمراہ صبا تک میر سرتے پھر ہوا ہوئے
سرایا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا تھے گر دل بے مدعا ہوئے
فلک اے کاش ہم کو خاک ہی رکھتا کہ اس میں ہم
غبار راہ ہوتے یا کسو کی خاک پا ہوئے
الہی کیسے ہوتے ہیں جنہیں ہے بندگی خواہش
ہمیں تو شرم دامن گیر ہوتی ہے خدا ہوئے
تو ہے کس ناجیہ سے اے دیار عشق کیا جانوں
ترے باشندگان میں کاش سارے بیوفا ہوئے
اب ایسے ہیں کہ صانع کی مزاج اوپر ہم پہنچے
جو خاطر خواہ اسے ہم ہوئے ہوتے تو کیا ہوئے
کہیں جو کچھ ملامت گر بجا ہے میر کیا جانے
انہیں معلوم تب ہوتا کہ دیسے سے جدا ہوئے

□□□

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراپ کی سی ہے

چشم دل کھول اس بھی عالم پر
یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

نقطہ خال سے ترا ابرو
بیت اک احتباب کی سی ہے

آتش غم میں دل بھنا شاید
دیر سے بوکھل کی سی ہے

دیکھئے ابر کی طرح اب کے
میری چشم پر آب کی سی ہے

میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

□□□

ب ظلم ہے اس خاطر تا غیر بھلا مانے
کس بکمر نہ بڑا مانے تو نون بڑا مانے

سرمایہ صد آفت دیدار کی خواہش ہے
دل کی تو سمجھ نیچے گر چشم کہا مانے

مسدود ہی ہے مقاصد بہت سے رہ نامہ
کیا کیا نہ نکھیں ہم تو جو یار نکھیا مانے

ہلک حال شکست کی تنہائی میں سب کچھ ہے
پردہ تو سخن رس ہے اس بات کو کیا مانے

سبے طاقتی دل نے سائل بھی کیا ہم کو
پر میر فقیروں کی یاں کون صدا مانے

□□□

دل کے معمورے کی مت کر فکر فرصت چاہئے

ایسے دیرانے کے اب بسنے کو مدت چاہئے

عشق و میٹواری نیچے ہے کوئی درویشی کے بیچ

اس طرح کے خرچ لا حاصل کو دولت چاہئے

عاقبت فریاد مر کر کام اپنا کر گیا

آدمی ہووے کسی پیشے میں جرات چاہئے

ہو طرف مجھ پہلوں شاعر کا کب عاجز
سامنے ہونے کو صاحب فن کی قدرت چاہے
عشق میں وصل و جدائی سے نہیں پہنچ سکتا
قرب و بعد اس جا برابر ہے محبت چاہئے
مازنی کو عشق میں کیا جمل ہے اب ہاں
یہاں صعوبت کھینچنے کو ہی میں طاقت چاہئے
تک مت ہو ابتدائے عاشقی میں اس قدر
خیریت ہے میر صاحب دل سلامت چاہئے

□□□

جب نام چرا لیجئے تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے
کوار کا بھی مارا خدا رکھے ہے ظالم
یہ تو ہو کوئی گور غریباں میں در آوے
میکانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہاں شیخ
دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آوے
کیا جانیں وہ مرغان گرفتار چمن کو
جن تک کہ بعد ناز نسیم بحر آوے
تو صبح قدم رنج کرے تک تو ہے درد
کس واسطے عاشق کی شب غم بسر آوے

ہر سو سر تسلیم رکھے صید حرم میں
وہ صید کھن تپج بکفت تا کدھر آوے
دیواروں سے سرمارتے پھرنے کا گیا وقت
اب تو ہی نظر اب کبھو اس اور در آوے
واعظ نہیں کیفیت میکانہ سے آگاہ
اک جرعه بدل ورنہ یہ مندیل ہر آوے
صناع ہیں سب خوازا ازاں جملہ ہوں میں بھی
بے عیب بڑا اُس میں جسے کچھ ہنر آوے
اے وہ کہ تو بیٹھا ہے سر راہ پہ زہار
کھینچو جو کبھو میر بلاش اوہر آوے
مت دشت محبت میں قدم رکھ کہ خطر کو
ہر گام پہ اُس رہ میں سفر سے حذر آوے

□□□

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
پر ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے
زہار اگر خستہ دلاں پیستوں جاؤ
تک پاس ہنر مندی فرہاد کرو گے
غیروں پہ اگر کھینچو گے شمشیر تو خواہیں
اک اور مری جان پہ پیدا کرو گے

یا کہ نہیں یاں روئے جس پر نہ ہڑی ہو
کچھ شوہ ہی شر پر تو مجھے یاد کرو گے

اس دشت میں اسے راہِ رواں بر قدم اوپر
ماند جس نالہ و فریاد کرو گے

گر دیکھو گے تم طرزِ کلام اُس کی نظر کر
اے اہل سخن میر کو استاد کرو گے

□□□

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

جن کی خاطر کی استخوان شکنی
سو ہم اُن کے نشانِ تیر ہوئے
نہیں آتے کو کی آنکھوں میں
ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے

آگے یہ بے ادایاں کب تھیں
ان دنوں تم بہت شریہ ہوئے
اپنے روتے ہی روتے صبرا کے
گوشتے گوشتے میں آبِ گیر ہوئے

ایسی ہستی عدم میں داخل ہے
نے جواں ہم نہ طفل شیر ہوئے

ایک دم تھی نمود و بود اپنی
یا سفیدی کی یا اخیر ہوئے

یعنی مانند صبح دنیا میں
ہم جو پیدا ہوئے سو تیر ہوئے

میت مل اہلِ دول کے لڑکوں سے
میر جی ان سے مل فقیر ہوئے

□□□

ادھر سے ابر اٹھ کر جو گیا ہے
ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے

مہتاب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک ساتھ سا ہو گیا ہے
مقامِ خانہ آفاق وہ ہے
کہ جو آیا ہے یہاں کچھ کھو گیا ہے

کچھ آذِ زلف کے کوچہ میں درپیش
مزاج اپنا ادھر اب تو گیا ہے
سربانے میر کے آہستہ بولو
ابھی تک روتے روتے سو گیا ہے

□□□

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دل پر خون کی اک گلابی سے
جی ڈبا جائے سے بحر سے آہ
رات گزرے گی کس شرابی سے
کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
برخ اٹھتے ہی چاند سا نکلا
دارغ ہوں اُس کی بنے چابی سے
کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شہابی سے

□□□

کیا پوچھتے ہو عاشق راتوں کو کیا کرے ہے
گا ہے نکلا کرے ہے گاہے دُعا کرے ہے
دانستہ اپنے جی پر کیوں تو جفا کرے ہے
اتنا بھی میرے پیارے کوئی کڑھا کرے ہے
قتلہ سپہر کیا کیا برپا کیا کرے ہے
سو خواب میں کبھو تو مجھ سے ملا کرے ہے
ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سننے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے

کیسے دارغ دل سے کہے گھر ہے سارا
پہلے وہی جو کوئی غلام وفا کرے ہے
اس بت کی کیا شکایت راہ درویش کی کرے
پردے میں بدسلوکی ہم سے خدا کرے ہے
کیا چال یہ نکالی سو سر جوان تم نے
اب جب چلو ہو دل کو غمگین دگا کرے ہے
گرم آ کر ایک دن وہ سینے سے لگ گیا تھا
جب سے ہماری چھاتی ہر شب جلا کرے ہے
دشمن ہو یا ر جیسا درپے ہے خوں کے میرے
بے دوستی جہاں والوں ہی ہوا کرے ہے
سمجھا ہے یہ کہ مجھ کو خواہش ہے زندگی کی
کس ناز سے معاف میری دوا کرے ہے
حالت میں غش کے کس کو خط لکھنے کی ہے فرصت
اب جب نہ تب ادھر کو جی ہی چلا کرے ہے
سرکا ہے جب وہ برقع تب آپ سے گئے یلدا
منہ کھولنے سے اس کے اب جی چھپا کرے ہے
بیٹھے ہے یار آ کر جس جا پہ ایک ساعت
ہنگامہ قیامت والوں سے اٹھا کرے ہے
سورخ سینہ میرے دکھ ہاتھ بند مت رکھو
ان روزوں سے دل تک کب ہوا کرے ہے

یا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں پار سے ہم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے
گل سی کی اور ہم بھی آنکھیں لگا رکھیں گے
ایک آدھ دن جو موسم اکی وفا کرے ہے
کہ سرزشتہ ان نے قربان کی نکالی
بجوں کا گاہے قدم پہنچا کرے ہے
ایک آفت زماں ہے یہ میر عشق پیش
پارے میں سارے مطلب اپنے ادا کرے ہے

□□□

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تھہ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
ماند کرتے نگاہ
سہم چھپا کر چلے

بہت آرزو تھی سبکی کی تھی
سویاں سے لبو میں نہا کر چلے
دکھائی ایسے یوں کہ بخود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
بجیں سجدہ کرتے ہی کرتے تھے
حق بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یاں کہ اے بت تھے
نظر میں سمجھوں کی خدا کر چلے
چھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں
چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے
نہ دیکھا غم دوستان شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے
عنی عمر در بند فکر فزل
سو اس فن کو ایسا برا کر چلے
کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

□□□

گلگشت کی ہوں تھی سو تو بغیر آئے
آئے جو ہم چمن میں ہو کر اسیر آئے

فرصت میں یک نفس کے کیا درد دل سنوئے
آئے تو تم لیکن وقت انجے آئے
دلی میں اب کی آسراں یاروں کو نہ دیکھ
کچھ دے گئے شبابی پہچہ ہم بھی دیر آئے
کیا خوبی اس چمن کی موقوف ہے کوئے
گل گر گئے مدح کو کھد کھد آئے
خوش نہیں جو اس کو پروا نہ ہو ہماری
دروازے جس کے ہم سے کتنے فقیر آئے
عمر دراز کیونکر مختار خضر ہے یاں
ایک آدھ دن میں ہم تو جینے سے سیر آئے
نزدیک تھی نفس میں پرواز روح اپنی
غنجے ہوں گلہلوں پر جب ہم صغیر آئے
یوں پیٹھے پیٹھے ناگہ گردن لگے ہلانے
سر شیخ جی کے گویا مجلس میں پیر آئے
قامت خیمہ اُس کی جیسی کہاں تھی لیکن
قرباں گم وفا میں مانہ تیر آئے
دن جی دیئے نہیں ہے امکاں یہاں سے جانا
بہل گم جہاں میں اب ہم تو میر آئے

چمن یار تیرا ہوا خواہ ہے
گل اک دل ہے جس میں جری چاہ ہے
سراپا میں اُس کے نظر کر کے تم
جہاں دیکھو اللہ اللہ ہے
تری آہ کس سے خبر پائیے
وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے
مرے لب پہ رکھ کان آواز سن
کہ اب تک تجھی یک ناتواں آہ ہے
گزر سر سے تب عشق کی راہ چل
کہ ہر گام یاں اک خطر گاہ ہے
کبھو وادی عشق دکھائیے
بہت خضر بھی دل میں گمراہ ہے
جہاں سے تو رنج اقامت کو باندھ
یہ منزل نہیں ہے خیر راہ ہے
نہ شرمندہ کر اپنے منہ سے مجھے
کہا میں نے کب یہ کہ تو ماہ ہے
یہ وہ کارواں گاہ دلکش ہے میر
کہ پھر یاں سے حسرت ہی ہمراہ ہے

قرباں نہ محبت وہ جاے جس میں نہ سو
مشوار جان ۱۰ دیا آسان سو رہا ہے
ہر شب گلی میں اس کی روت رتے جو ہم تو
اک روز میر صاحب طوفان ہو رہا ہے

□□□

دن ۱۰۰ چن میں جو ہم شام کریں گے
تا صبح وہ صد سالہ انجام کریں گے
ہو کا تہ و جور سے تیرے ہی کنایہ
وہ شخص جہاں شکوہ ایام کریں گے
آمیزش بیٹا ہے تجھے جن سے ہمیشہ
وہ لوگ ہی آخر تجھے بدنام کریں گے
نالوں سے مرے رات کے غافل نہ رہا کر
اک روز یہی دل میں جڑے کام کریں گے
کر دل سے یہی مضطرب الحال تو اے میر
ہم زیرِ زمیں بھی بہت آرام کریں گے

□□□

مثنویات

جھوٹ

اے جھوٹ آن شیر میں تیرا ہی دور ہے
شیوہ یہی سبکوں کا یہی سب کا طور ہے
اے جھوٹ تو شعار ہوا ساری خلق کا
کیا شہ کا کیا وزیر کا کیا اہل باق کا
اے جھوٹ تجھ سے ایک خرابی میں شہ سے
اے جھوٹ تو غضب ہے قیامت ہے قہر ہے
اے جھوٹ رفتہ رفتہ چرا ہو گیا روان
تیری متاع باب ہے ہر چار سو میں آج
اے جھوٹ کیا کہوں کہ بلا زیر سر ہے تو
اے جھوٹ سچ یہ ہے کہ عجب قندہ گر ہے تو
اے جھوٹ کب سے عرصے میں تجھ سار فرباب
تیرے ہی حکم کش ہیں وضع و شریف اب
اے جھوٹ کب سے شہر میں ہیں تاجیں بھی
مر جائے کیوں نہ کوئی بھی سچ بولیں نہ کبھی
کہنے سے آج اُن کے کوئی دل نہ شاد ہو
فردا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو

معدے مزنی کے چہرہاں سب آرزو تھے
 برسوں تک انتظار کیا ہی جا تھے
 عسف کہ تھا نیکی، صداقت و ہمدرد تھا
 پھر حسن ظاہری سے وہ بارش بہا تھا
 پیمان کار تیرے سبب چاہتے تھے
 زنداں میں چاک برسوں رہا چھوڑ کر وطن
 اے جھوٹ تو آئی ایک دل توینے سے بار
 آشوب گاہ تجھ سے زمانہ بدلا رہا
 کس جاں سچی سے نوہ نئی وہ سن نے کی
 تصویر خود شیریں کے پیش نظر رکھی
 اے جھوٹ رنگ تیرے کرے کوئی کیا بیاں
 رگستا ہے جیسے غنچہ زباں تو جہ زباں
 نزدیک جب ہوا کہ وہ مطلوب سے ملے
 اب صبح و شام غنچہ مقصود دل کھلے
 دارال کے تو پردے میں آ کام کر گیا
 دو باتوں میں وہ عاشق دل خستہ مر گیا
 اے جھوٹ تجھ سے فتنے ہزاروں اٹھا کیے
 ہنگامہ و فساد بھی ہر سو رہا کیے
 اے جھوٹ راسخی سے نہیں ہٹتو کہیں
 کہنے کو باں کہیں ہیں حقیقت میں ہے نہیں

اے جھوٹ اس عین میں بہتہ ہی سے جا تھے
 وعدے میں آہ لوگوں کے وعدے ہی آ تھے
 اے جھوٹ اس زمانے میں کیوں کر چلے معاش
 ہے ننگ جھوٹ بیولنے سے عرصہ تلاش
 سردار جس سے سب متعلق تے کاروبار
 جج بولن ہے اس کے تئیں تخت تک مار
 پھر سب ہمار ہمار دروغی و مقتری
 صدق و سنا، راسخی کے ٹیب سے بنی
 مشکل حصول کام سے یاں سبیں علم
 باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام
 اے جھوٹ دل مرا بھی بہت دردناک ہے
 ان کاذہوں سے صبح غلط جیب چاک ہے

گھر کا حال

کیا کہوں میر اپنے گھر کا حال
 اس خرابے میں میں ہوا پامال
 گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
 سخت دل ننگ یوسف جاں ہے
 کوچہ و موج سے ہے آگن ننگ
 کوفری کے جاب کے سے ڈھنگ
 چار دیواریں سو جگہ سے فم
 تڑنگ ہو تو سوسکتے ہیں ہم
 لونی لگ لگ کے بہرتی ہے مانی
 آہ کیا عمر بے مزہ کالی

کیا تھے بیش مقف جھلکی تمام
اس تلاش کا علاج کیا کرے
جانیں مٹنے کو جینے کے رنج
آنکھیں بھر لاکے یہ نہیں ہیں سب
جھار بادھا ہے بیٹھنے دن رات
باز میں کانپتے ہیں جو قہر قہر
کچلے لے لے کے جوں توں چھو پا ہے
تس کو بھر پر جھتی بھی ہے ہی نہیں
دھماکو دیوار یا اٹھا رعبو
ایک حجرہ جو آٹھ میل سے اشن
کہیں سورج ہے کہیں ہے چاک
کہیں گھونسوں نہ کھوڈا ہے
کہیں گھر ہے کسو پچھوندہ کا
کوئے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں
جی اسی حجرے ہی میں پھرتا ہے
رکھ کے دیوار ایسے دوسرے
چارپائی جب اس میں پچھوئی
سام ایسے کہ ہے دوائے خراج
بیکر اپنی خدا نے رکھی ہے
آگے اس حجرے کے بے اک ہواں

کڑی تکتے کہی دھنوں سے سیاہ
کوئی تکتے مکان سے داتا سے
دب کے صبر ہمیشہ مدد
منی تو وہ جو ڈالی چھت پر ہم
مضطرب ہو کے جو بچھالی بہت
چتر سے اس منی میں کشتی سے
دیں ہیں اڑاؤں پھر جو حد سے زیاد
ایسے صبر کا در کے آگے ہیر
ہیتے ہیں جب تلک نہیں پہنچی
کشتی دیوار کی نیت ہے حال
تو تا سینا تو ایک بات ہے
کیوں کہ سادوں کے گا اب کی بار
ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا
ہو کے مضطرب گے ہیں کہنے سب
تیزی یاں جو کوئی آتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ
ایک دن ایک کوا آ بیٹھا
جیل سے لوگ دوڑتے کرتے شور
ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے
نہیں وہ ذراغ چار پاؤں بھرا

اس کی ہیبت کی طرف ہمیشہ نگاہ
وہی داسد مکان سے پھوٹا ہے
گھر یہاں صاف موت ہی کا صبر
تھے جو شہیر جوں نماں ہیں ہم
پر کڑی نے کڑی اٹھالی بہت
تختہ تختہ ہوئی یہ جتنی ہے
چل ستوں سے مکان دے ہے یا
مرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر
درت کا بس ہے جو نہیں پہنچی
یڈڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
پودنا پھید کے تو قیامت ہے
تھر تھرا دے بھینیری سی دیوار
از بھینیری کہ سادوں آیا اب
جان حردوں نکل ہی جاتی ہے
کہیں کھسکے تو سب قیامت نگ
بے گماں جیسے ہوا آ بیٹھا
کہ نہ حافظ میں کچھ رہا تھا زور
دوڑے اچھلے کہ بال بال چلے
ایک کالا پرانے آن گرا

منی اس کی کہیں کہیں بھیسی
سارن ۱۰ سال تک گئے دو چار
اتکے ہوں گے شذر بھی اس گھر سے
اکھڑے چھوٹے نواز کوئی دھیر
خاک کو بے کو جیسے کھادے پاک
بند رکھتا ہوں در جوہ میں رہوں
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور
جس سے پوچھو اسے تادے شباب
ایک چیمبر ہے شہر دہلی کا
باس کی جا دیے تھے مر کتبہ
گل کے بندھن ہوئے ہیں چیلے سب
میٹھ میں کیوں نہ پھینکے یک سر
منی ہو کر گرا ہے سب والا
والا پہنکا تو یاں سرک بیٹھا
حال کس کو ہے اوتی کا یاد
کہیں صحت رکھوں کہیں بیلا
چکے دو چار جا تو بند کروں
یاں تو جھانگے ہزار میں تنہا
بس کہ بد رنگ چکے ہے پانی
کوئی جانے کہ ہوئی کھلا ہوں

مجھ سے کیا دانی ہوا چارہ
ہاں جھینگر تمام چات سے
تکے ہیں اور میں بوش و کم
ایک پھینکے پوچھ کر رو
یو پوچھ مت زندگانی تیری ہے
کیا کیوں جو جھانچش سے کن
پوریا پھیل کر بچھا نہ بھو
ڈوڑھی کی پہ خونی در ایسا
جس اعلیٰ کوئی کہتا تھا
انھوں سے یہ نہ نہ نہ نہ
شب بچھوتا جو میں چھتا ہوں
کیرا اک ایک پھر کھڑا ہے
ایک چنگی میں ایک چنگلی پر
گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
ملے راؤں کو گھس گھس پوریں
باتھ چکے پہ گم بچھونے پر
سلایا جو پانچتھی کے اور
تو شک ان گڑوں میں سب پھانی
جھارت جھارت گیا سب ہاں
نہ کھنوا نہ کھاٹ سونے کو

آماں جو پھنکے تو گیا جاہ
بیک راہیں یہاں یہاں سے
آن پہ چاروں ہفتہ نام
ایک سر پہ ۱۰ دن سے ٹو
ایک باقی ن ایک نہیں ہے
چارپائی ہمیشہ سر پہ رہی
کوٹہ بن میں کھڑا رہا یک سو
چیمبر اس پونچھ کے گھر ایسا
یاد دینی رہے ہیں جس کے یہاں
جس نہ تھا نہیں سے شہ کو بھی
سر پہ روز سیاہ آتا ہوں
ساجھ سے کھانے ہی کو دوزا ہے
ایک آگوشا دکھا دے اٹکی پر
پر محمد سکھانے مل مارا
ناخوں کی میں لال سب کوریں
کیمبو چادر کے کوئے کوئے پر
دیں سلا کر ایڑیوں کا زور
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کائی
ساری کھانوں کی چولیس تھیں ندان
پاپ پٹی لگانے کوئے کو

جب تہ تب پند پر لیے پاں
سو تہ تہا نہ پاں میں حمل
کسین پھر کا کہ جی سے تاب گئی
ایک تیلی پہ ایک گھائی میں
باجھ و چین ہو تو کچھ کہے
یہ جو بارش ہوئے تو آخر کار
آہ پیچی خرابی کیا کیا نہ
ایہ ہوئے ہیں گھر میں دیکھ
دو طرف سے تھکتوں کا رہت
ہو گیزی وہ گھڑی تو دھکاروں
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحت نذر
وہ جو ایوان تھا حجرے کے آگے
کوٹھا پوچھل ہوا تھا بیٹھ گیا
کزی حجت ہر ایک چھوٹ پڑا
میں تو حیران کار تھا اپنا
ایٹھ پتھر تھے مٹی تھی یک سر
چرخ کی گج روئی نے پیسا تھا
کتے اک لوگ اس طرف دھائے
مٹی لے لے گئے وہ ہاتھوں میں

صورت اس لڑکے کی نظر آئی
آنکھ کھولی ادھ ادھ دیکھا
قدرت حق دھائی دی آ کر
داشت کی کوشری میں لا رکھا
داشت کی کوئی دوست داروں کو
کہ مری بود و باش یاں نہ رہے
شہر میں جا بہم نہ پہنچی کہیں
اب وہی گھر ہے بے سرو سامان
دن کو تہی دھوپ رات کو ہی اویں
قضا کو دن اسچہ صبح ہوں
نہ اتر نام کا نہ چو در کا

برسات کی شدت

جسم خاک میں جس طرح جاں ہے
اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے
ظلماتیں اس کی سب پہ روشن ہیں
زندہ در گور ہم کئی من ہیں
ہے جو سرکوب اک بڑی دیوار
واں سے جھانکو تو ہے اندھیرا مار

خست بد دیکھ سارے پرانے
اس کے معیار نے اور دھات
اب جو آئے ہے موسم برسات
دن و رات اپنے ہاں اندھیری رات
گھن میں آب نیز بالا ہے
وچ مون ہے کہ کالا ہے
مٹھ میں گھر کے پانے پتھر
بہ فریوں نے دے ہیں
نہ تک تے تے پتھر ایک نے
سہ جڑیوں گھونٹوں کو کئے
دل ہے پتھر کڑوں کا احساں مند
کہ جنہوں نے کیے ہیں جھانکے بند
پھوں کچھ ہے کہیں سو آتا ہے
بانس کو جھینکروں نے چانا ہے
اڑ گئی گھاس مٹی ہے والا
ہے جو بندھن سہ کڑی کا جالا
اپنے بندھن سے جو کہ چھوٹا ہے
ہم کچھ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے
کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو
باندھتا ہوں چان رسنے کو

بد چھنوں کہ بچے تا سہ
یاں تو یاب آسمان ٹوٹا ہے
جھکی دینے کو جا اڑا ہے ہم
سر پہ ٹھنڈے کھڑے ہیں ہم
نیاں تھیں جو آئے چہرے کے
بٹی پھرتی ہیں تھیں میں گھر کے
تھے سب کھڑے ہیں پانی میں
خاک ہے ایسی زندگانی میں
اب تو اس سے بھی حال بدتر ہے
سر پہ ٹھنڈا ہے بس پہ چھپے ہے
پاک اس دہل سے ہے - دیوار
جیسی چھد ہو عاتقوں کی ڈکار
متصل نیکی ہے نہ باراں تو
گر یہ زار سوگ داراں تو
گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے
چھت بھی بے اختیار روتی ہے
میتہ یکبارگی جو ٹوٹ ہے
کڑی تختہ ہر ایک چھٹ ہے
بہہ گئے گولے تختے ڈوب گئے
غرض اجڑائے سقف خوب گئے

موج بستی ستون میں تھیں
جان غم تاک خوں میں تھیں
لے گیا تھ و تاب پا کا
کٹھری تھی حباب پانی کا
تیب نصف گھر سے بار خاطر تھی
آہ نس : تیار خاطر تھی
اکھڑی وہیہ سب مندریں
ہری پانی : جہازہ دیتی پھری
ساری نیا پانی نے کانی
اینت - گھر کو کر دیا مانی
جہک کے سب ستون در بیٹھا
دہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا
جب اجارے پہ آ کے چھت ٹھیری
ہم سہوں میں یہ مصلحت ٹھیری
آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں
کوئی پہ بیٹھ کر نکلیں
دب کے مرنے سے ڈوب مرنا خوب
ہے کنارہ یہاں سے کرتا خوب
سن کے ہراک کے جی میں ڈر آیا
خاطروں میں یہ حرف ٹھیرایا

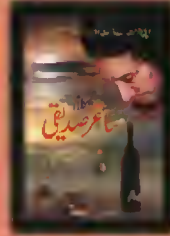
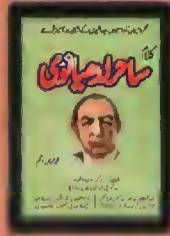
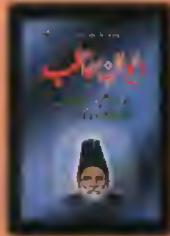
کٹھری کپڑوں کی میں اٹھائی تھی
سر پہ بھائی کے چارپالی تھی
بوجھ کپڑوں کا جن نے باندھا تھا
اس کا سارا نگار کاٹھا تھا
ساتھ کوئی چراغ لے نکلا
کوئی سر پر اجاغ لے نکلا
چھانج کی کر کے کوئی اوٹ چلا
میتھ کے مارے کوئی تو بوت چلا
مٹ پہ چھتی وہ ایک نے روپا
ایک نے سر کی کا کیا گھوپا
ایک نے چھتے حال حال ہے
پائے بٹی چٹکے میں ڈال لیے
ایک نے پوریا لیٹ لیا
اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا
اٹنا اسباب گھر سے ہم لے کر
اٹائی سب کے ہاتھ میں دے کر
صف کی صف نکلی اس خرابی سے
تاکہ پیشیں کہیں شتابی سے
میر جی اس طرح سے آتے ہیں
جیسے کبوتر کہیں کو جاتے ہیں
جن نے اس وقت آنکھ کو کھولا
نہیں کے بے اختیار وہ بولا

سن کے اس بات کو نہ سمجھو
بارے اک بھائی کے آئے ہم
جب سے رہنے کو اب تلک میں خراب
نہیں بھاتا تھر بھدر حساب
جس میں خوش نیست نفس معاش کریں
طہر ہے اپنے یوں و پاں کریں

خواب و خیال

خوشا حال اس کا جو معدوم ہے
رہیں جان غم تاک و کاشتیں
سبیں دل سے نومید سو خواہشیں
زمانے نے رکھا مجھے متصل
پراگندہ روزی پراگندہ دل
رہا میں تو ہم طالع زلف پار
نہ پہنچی خبر مجھ کو آرام کی
دکھانے لگے داغ بالائے داغ
میری بے کسی نے نہا مجھے
رفیقوں سے دیکھی بہت کوچنی
میرے زمانہ جدھر لے گیا
غریبانہ چند۔ بسر لے گیا

ہر دور کے نمائندہ شعراء کے سدا بہار مجموعہ ہائے کلام



قیمت فی کلام: 00-36 روپے

مکتبہ الفتوح
مرکز نمبر 30، چیمبرز مول، نزد بازار کلاں، لاہور
فون: 0333-4304936